یا اللہ مدد

توحید اور شرک کی حقیقت

قرآن و حدیث کی روشنی میں

حافظ صلاح الدین یوسف

دار السلام
کتاب و سنت کی اشاعت کا عالمی ادارہ

پوسٹ بکس: 22743 الریاض: 11416 سعودی عرب

فون: 00966 1 4043432-4033962 فیکس: 4021659

E-mail: darussalam@awalnet.net.sa

Website: www.dar-us-salam.com

---

❶ طریق مکہ - العلیا - الریاض فون: 00966 1 4614483 فیکس: 4644945

❷ شارع الاربعین - الملز - الریاض فون: 4735220 فیکس: 4735221

❸ جدہ فون: 00966 2 6879254 فیکس: 6336270

❹ الخبر فون: 00966 3 8692900 فیکس: 8691551

شارجہ فون: 00971 6 5632623 فیکس: 5632624

❶ 36- لوئر مال، سیکرٹریٹ سٹاپ، لاہور

فون: 0092 42 7240024-7232400-7111023-7110081

فیکس: 7354072 **E-mail:** darussalampk@hotmail.com

❷ غزنی سٹریٹ، اردو بازار، لاہور فون: 7120054 فیکس: 7320703

❸ اردو بازار گوجرانوالا فون: 0092-431-741613 فیکس: 741614

لندن فون: 0044 208 5202666 فیکس: 208 5217645

امریکہ ❶ ہوسٹن فون: 001 713 7220419 فیکس: 7220431

❷ نیویارک فون: 001 718 6255925 فیکس: 6251511

فہرست مضامین

عرض مصنف 7

باب اوّل : لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه معنی و مطلب اور مقام و فضیلت 13

معنی و مطلب 13

" لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه " کا تقاضا 15

" لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه " کا مقام و مرتبہ 15

" لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه " کی فضیلت 17

" لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه " کے فائدہ مند ہونے کی شرائط 19

ثمرات و برکات 19

محض زبان سے کلمہ پڑھنا کافی نہیں' اس کے تقاضوں پر عمل کرنا بھی ضروری ہے 22

ایک اور شبہہ اور اس کا ازالہ 24

باب دوم : توحید کی حقیقت' قسمیں اور تقاضے 29

توحید ربوبیت 29

مشرکین اور توحید ربوبیت 31

توحید الوہیت 32

توحید الوہیت کے لوازم 35

توحید اسماء و صفات 37

توحید اسماء و صفات کے تقاضے 40

توحید' بندوں پر اللہ کا سب سے بڑا حق ہے 41

باب سوم : شرک کیا ہے اور مشرک کون؟ 46

دو خالق اور دو معبودوں کا عقیدہ ' شرک کی پہلی قسم 47

شرک کی دوسری اور عام قسم 48

کیا مسلمانوں کو ان کے مشرکانہ عقائد کی وجہ سے مشرک نہیں کہا جا سکتا؟ 51

کیا امت مسلمہ ' شرک کا ارتکاب نہیں کرے گی؟ 56

دیگر ارشاداتِ رسول کی روشنی میں زیر بحث نکتے کی وضاحت 58

مذکورہ تعلیمات کے مقابلے میں فاسد العقیدہ لوگوں کا طرز عمل 67

مافوق الاسباب اور ماتحت الاسباب مدد مانگنے کا مطلب 71

لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کا مطلب 74

باب چہارم : استدلالات اور ان کا جائزہ 77

کیا بزرگان دین کو مدد کے لئے پکارنا شرک نہیں ہے؟ 79

صحابہ و تابعین نے کسی بھی فوت شدہ کو کبھی نہیں پکارا 81

فوت شدگان سے استغاثہ کرنا اور ان کا وسیلہ پکڑنا جائز نہیں 82

امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا ایک واقعہ 84

علامہ آلوسی بغدادی کی وضاحت 85

وسیلے کی جائز صورتیں 86

ناجائز اور ممنوع وسیلہ 89

صنم پرست مشرکین بھی فاعلِ حقیقی اللہ ہی کو مانتے تھے 92

قوم نوح کے پانچ بت ' بھی دراصل اللہ کے نیک بندوں ہی کے نام تھے 93

بے خبر مسلمانوں کا شرک... بزرگانِ دین کی تصریحات 94

حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ 95

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ 95
شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمہ اللہ 96
فقہ حنفی کی صراحت (قبروں پر کئے جانے والے کام حرام ہیں) 97
فتاویٰ عالمگیری کا فتویٰ 98
اللہ کے سوا کسی اور کو عالم الغیب سمجھنا کفر ہے 99
یا شیخ عبدالقادر شیئاً لِلّٰہ کیوں ناجائز ہے؟ 100
قبر پرستوں کا شرک صریح' ایک نمونہ 102
کیا غائب کو پکارنا شرک نہیں؟ واقعہ یَا سَارِیَۃُ الْجَبَلَ ؟ 104
ایک مجہول الحال آدمی کے خواب سے استدلال 105
"الادب المفرد" کی ایک روایت سے استدلال اور اس کی حقیقت 107
عبادت کسے کہتے ہیں اور معبود کون ہوتا ہے؟ 111
ایک اسکالر کا تجزیہ' ایک دعوائے بلا دلیل 114
بسم اللہ کی باء سے استمداد لغیر اللہ کا جواز؟ 116
ہماری گزارشات 118
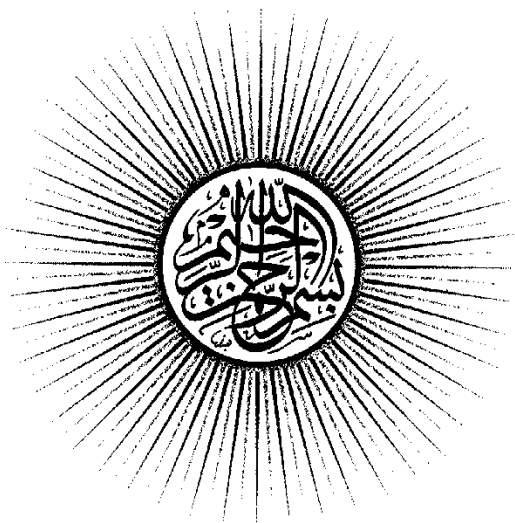
عرض مصنف (طبع دوم)

- قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے شرک کو ظلم عظیم قرار دیا ہے۔

﴿ إِنَّ ٱلشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيمٌ ﴿١٣﴾ ﴾ (لقمان ۳۱/ ۱۳)

"یقیناً شرک بہت بڑا ظلم ہے۔"

- جو شخص شرک کرتا ہوا مرگیا' زندگی میں اس نے شرک سے توبہ نہیں کی' تو قیامت کے دن اس کی مغفرت نہیں ہوگی۔

﴿ إِنَّ ٱللَّهَ لَا يَغْفِرُ أَن يُشْرَكَ بِهِۦ وَيَغْفِرُ مَا دُونَ ذَٰلِكَ لِمَن يَشَآءُ ﴾

(النساء ٤/ ٤٨)

"بلاشبہ اللہ اس بات کو معاف نہیں کرے گا کہ اس کے ساتھ شرک کیا جائے' البتہ اس کے علاوہ گناہ' جس کے لئے چاہے گا' معاف فرمادے گا۔"

- مشرک پر اللہ نے جنت کو ہمیشہ کے لئے حرام کر دیا ہے۔

﴿ إِنَّهُۥ مَن يُشْرِكْ بِٱللَّهِ فَقَدْ حَرَّمَ ٱللَّهُ عَلَيْهِ ٱلْجَنَّةَ وَمَأْوَىٰهُ ٱلنَّارُ ۖ وَمَا لِلظَّٰلِمِينَ مِنْ أَنصَارٍ ﴿٧٢﴾ ﴾ (المائدة: ٥/ ٧٢)

"بلاشبہ جو اللہ کے ساتھ شرک کرتا ہے تو اس پر اللہ نے جنت حرام کر دی اور اس کا ٹھکانہ جہنم ہے اور ظالموں (مشرکوں) کا کوئی مددگار نہیں ہوگا۔"

- مشرک کا کوئی عمل مقبول نہیں' اس کے سارے اعمال برباد ہوں گے۔

﴿ وَلَقَدْ أُوحِىَ إِلَيْكَ وَإِلَى ٱلَّذِينَ مِن قَبْلِكَ لَئِنْ أَشْرَكْتَ لَيَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ وَلَتَكُونَنَّ مِنَ ٱلْخَٰسِرِينَ ﴿٦٥﴾ ﴾ (الزمر ۳۹/ ٦٥)

"یقیناً آپ کی طرف اور آپ سے پہلے (پیغمبروں میں سے ہر پیغمبر) کی طرف یہ وحی کی گئی کہ اگر تم نے شرک کا ارتکاب کیا' تو تمہارے عمل برباد ہو جائیں گے اور تم

نقصان اٹھانے والوں میں سے ہو جاؤ گے۔"

- ایک اور مقام پر اٹھارہ پیغمبروں کا ذکر کر کے اللہ نے فرمایا:

﴿ وَلَوْ أَشْرَكُوا۟ لَحَبِطَ عَنْهُم مَّا كَانُوا۟ يَعْمَلُونَ ﴿٨٨﴾ ﴾ (الأنعام٦/ ٨٨)

"اور اگر ان سے شرک کا ارتکاب ہو جاتا تو ان کے سارے عمل اکارت جاتے۔"

انبیاء علیہم السلام سے شرک کا کوئی اندیشہ نہیں ہوتا' اس کے باوجود اللہ نے پیغمبروں کا نام لے کر حتی کہ سید الرسل' خاتم الانبیاء حضرت محمد رسول اللہ ﷺ سے خطاب فرما کر شرک کی بابت یہ اعلان فرمایا کہ شرک سے سارے عمل برباد ہو جائیں گے۔ مطلب پیغمبروں کی امتوں کو اور آخر میں آخری امت --امت محمدیہ-- کو تنبیہ کرنا ہے کہ شرک نہایت خطرناک عمل ہے جو اس میں ملوث ہو گیا' وہ تباہ و برباد ہو گیا۔ اسی لئے ایک حدیث میں نبی ﷺ نے حضرت معاذ کو ایک وصیت یہ فرمائی تھی:

«لاَ تُشْرِكْ بِاللهِ شَيْئًا وَّإِنْ قُتِلْتَ وَحُرِّقْتَ» (مسند أحمد: ٥/ ٢٣٨)

"اللہ کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ کرنا' اگرچہ تجھے قتل کر دیا جائے یا جلا دیا جائے....."

لیکن ہمارے معاشرے میں' شرک کی بابت اتنی صراحتوں کے باوجود "یا علی مدد" --- "یا رسول اللہ مدد" --- اَغِثْنِیْ یَا رَسُوْلَ اللّٰہ "اللہ کے رسول! میری مدد فرمائیے" اَدْرِکْنِیْ یَا رَسُوْلَ اللّٰہ "اے اللہ کے رسول مجھے سہارا دیجئے!" اَدْرِکْنِیْ یَا صَاحِبَ الزَّمَانِ "اے زمانے کے مالک میرا دست و بازو بن جا" وغیرہ نعرے وردِ زبان رہتے ہیں۔ آخر الذکر نعرہ شیعہ حضرات میں بڑا مقبول ہے' صاحب الزمان سے مراد ان کے امام غائب ہیں جسے مہدیٔ منتظر بھی کہا جاتا ہے۔ بعض مسجدوں میں یہ طغریٰ لکھا ہوا ہے۔

يَارَسُوْلَ اللهِ! أُنْظُرْ حَالَنَا   يَارَسُوْلَ اللهِ! اِسْمَعْ قَالَنَا

إِنَّنِيْ فِيْ بَحْرِ الْغَمِّ مُغْرَقٌ   خُذْ بِيَدِيْ سَهِّلْ لَّنَا أَشْكَالَنَا

"اے اللہ کے رسول' ہمارا حال دیکھئے' اے اللہ کے رسول! ہماری بات سنئے! میں غم کے سمندر میں ڈوبا ہوا ہوں' میرا ہاتھ پکڑیئے اور ہماری مشکلات آسان فرمائیے!"

اسی طرح بہت سے اصحاب القبور اور فوت شدہ بزرگوں سے بھی مدد طلب کی جاتی

ہے۔ جیسے شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ سے مدد طلب کی جاتی ہے۔ یا شیخ عبدالقادر شیئاً للّٰہ "اے عبدالقادر، اللہ کیلئے مجھے کچھ دیں" یا کہا جاتا ہے ؎

امداد کن امداد کن در دین و دنیا شاد کن
از قید و بند غم آزاد کن یا شیخ عبدالقادرا

"امداد کر! امداد کر! ہمیں دین و دنیا میں خوش کر غموں کی قید سے ہمیں آزاد کر، اے شیخ عبدالقادر!"

یہ اور اس قسم کے بہت سے نعرے، اشعار اور استغاثے کے کلمات ہیں، جو مُشرکانہ ہیں، یعنی سب میں اللہ کو چھوڑ کر غیراللہ سے مدد طلب کی جاتی ہے۔ لیکن اس کے باوجود عوام میں یہ نعرے اور دعائیہ کلمات عام ہیں۔

اس کی ایک وجہ تو عوام کی جہالت ہے، وہ جانتے ہی نہیں ہیں کہ دین کیا اور اس کی اصل حقیقت کیا ہے؟ توحید کیا اور اس کے تقاضے کیا ہیں؟ شرک کیا اور کن باتوں میں شرک کی آمیزش ہے؟ اور ان کے ارتکاب سے آدمی مشرک ہو جاتا ہے؟

دوسری وجہ، ان کے علماء کے وہ مغالطے ہیں، جن کے ذریعے سے انہوں نے عوام کو مختلف عنوانات سے شرکیہ عقائد و اعمال میں مبتلا کیا ہوا ہے۔ کبھی اسے "عشق رسول" اور "محبت اولیاء" کا عنوان دیا جاتا ہے، کبھی اسے وسیلہ قرار دے کر اس کا جواز مہیا کر دیا جاتا ہے اور کبھی شرک کو صرف پتھر کی مورتیوں کے ساتھ مخصوص کر دیا جاتا ہے، اور کبھی کہہ دیا جاتا ہے کہ مسلمان سے شرک کا ارتکاب ہو ہی نہیں سکتا، حتیٰ کہ بعض اہل توحید بھی یہ کہنے لگ گئے کہ قبر کے پجاری، اگرچہ فسادِ عقیدہ کا شکار ہیں، لیکن انہیں مشرک نہیں کہا جاسکتا۔ گویا بقول حالی، یوں کہا جاسکتا ہے ؎

کرے غیر گر بت کی پوجا تو کافر　　جو ٹھہرائے بیٹا خدا کا تو کافر
کہے آگ کو اپنا قبلہ تو کافر　　کواکب میں مانے کرشمہ تو کافر

مگر مومنوں پر کشادہ ہیں راہیں
پرستش کریں شوق سے جس کی چاہیں
اماموں کا رتبہ نبی سے بڑھائیں نبی کو جو چاہیں خدا کر دکھائیں
شہیدوں سے جا جا کے مانگیں دعائیں مزاروں پہ دن رات نذریں چڑھائیں
نہ توحید میں کچھ خلل اس سے آئے
نہ اسلام بگڑے نہ ایمان جائے

گویا مسلمانوں کا ایمان اتنا پختہ ہے کہ چاہے ان کے عقائد و اعمال بھی اتنے ہی مشرکانہ ہوں جیسے مشرکین مکہ کے تھے یا دوسرے مشرکوں کے ہو سکتے ہیں' لیکن پھر بھی وہ مسلمان کے مسلمان اور موحد کے موحد ہی ہیں۔ یہ تو وہی یہود و نصاریٰ والی بات ہوئی' کہ انہوں نے مشرکانہ اور اللہ کو ناراض کرنے والے عقائد و اعمال اختیار کر لئے' لیکن دعویٰ وہ یہی کرتے رہے:

﴿نَحۡنُ أَبۡنَٰٓؤُاْ ٱللَّهِ وَأَحِبَّٰٓؤُهُۥ﴾ (المائدۃ: ۵/ ۱۸)

"ہم اللہ کے بیٹے اور اس کے چہیتے ہیں۔"

یہی حال اب مسلمانوں کا ہے۔ انہوں نے بھی شرکیہ عقائد و اعمال اختیار کر لئے ہیں' لیکن ان کے احبار و رھبان اور مشائخ ان کو یہی باور کرا رہے ہیں کہ تم تو مسلمان ہو' تم مشرک کس طرح ہو سکتے ہو؟ تم تو اللہ کے محبوب کی محبوب امت ہو' تم جہنمی کیوں کر ہو سکتے ہو؟ جہنم تو مشرکوں کا مقدر ہے' تمہارے لئے تو جنت اور اس کی نعمتیں ہیں۔

یوں یہ لوگ اللہ کو (نعوذ باللہ) ظالم اور غیر منصف باور کرانا چاہتے ہیں کہ وہ جن مشرکانہ عقائد و اعمال کی وجہ سے غیر مسلم قوموں کو جہنم کا ایندھن بنائے گا' مسلمانوں کو وہ انہی عقائد و اعمال کے باوجود جنت عطا فرمائے گا۔ کیا ایسا ممکن ہے؟ کیا اللہ کی بابت اس ظلم اور ناانصافی کا تصور کیا جا سکتا ہے؟ نہیں' ہرگز نہیں۔ اللہ تعالیٰ ظالم نہیں' عادل ہے۔ قیامت کے دن وہ بے لاگ عدل و انصاف کا اہتمام فرمائے گا' وہ مشرک کو کبھی جنت میں داخل نہیں فرمائے گا' چاہے اس کا تعلق کسی بھی نسل اور مذہب سے ہو گا۔ وہاں نسل اور مذہبی

نسبتوں کی بنیاد پر فیصلے نہیں ہوں گے' بلکہ صرف عقیدہ و عمل کی بنیاد پر ہوں گے۔ وہ عقیدہ و عمل جو حضرت محمد رسول اللہ ﷺ پر نازل کردہ قرآن اور آپ کے بیان کردہ عقیدہ و عمل کے مطابق ہو گا اور آپ سے پہلے لوگوں کا عقیدہ و عمل سابقہ انبیاء کے بتلائے ہوئے عقیدہ و عمل کے مطابق ہو گا۔

اس لئے ضروری ہے کہ توحید اور شرک کی اور ان مغالطوں کی حقیقت سمجھی جائے جو ان دونوں کو گڈمڈ کرنے والے ہیں تاکہ مسلمان توحید کو اپنائیں' جس میں نجات ہے اور شرک سے بچیں' جس کی سزا جہنم ہے۔ اسی بنیادی ضرورت کے پیش نظر یہ رسالہ شائع کیا جا رہا ہے۔

اس میں سب سے پہلے کلمہ طیبہ "لا الٰہ الا اللہ" کا معنی و مفہوم اور اس کے تقاضوں کو واضح کیا گیا ہے۔ دوسرے باب میں توحید کی حقیقت اور اس کی قسموں کا بیان ہے۔ تیسرے باب میں شرک کی حقیقت' اس کی قسموں اور مظاہر کی تفصیل ہے۔ چوتھے باب میں ان مغالطوں کی وضاحت ہے' جن سے شرک کا جواز مہیا کیا جاتا ہے یا کم از کم ان سے شرک کی حوصلہ افزائی ہوتی ہے۔

یہ مغالطے بڑے عام ہیں اور مختلف نوعیت کے ہیں' اس لئے ان پر قدرے تفصیل سے گفتگو کی گئی ہے' تاکہ توحید کی حقیقت پوری طرح نکھر کر سامنے آ جائے۔ کیونکہ ظلمت شب کے دُور ہونے پر ہی صبح روشن کا اُجالا پھیلتا اور نمایاں ہوتا ہے ؎

بیاں میں نکتہ توحید آ تو سکتا ہے
ترے دماغ میں بت خانہ ہو تو کیا کہئے

ایک وضاحت: کتاب کے مختلف ابواب الگ الگ مواقع پر تحریر کئے گئے ہیں' اس لئے ان میں بعض چیزوں کی تکرار محسوس ہوگی۔ اسی طرح مختلف مغالطوں اور پہلوؤں کی وضاحت میں بھی تکرار کے بغیر چارہ نہیں ہوتا۔ بنابریں قارئین اس تکرار کو برداشت کریں۔ علاوہ ازیں تکرار بعض جگہ مفید اور ناگزیر ہوتی ہے' اس لئے یہ تکرارِ نکتہ' توحید کی وضاحت اور فہم میں ان شاء اللہ ممد ہی ثابت ہوگی۔ علاوہ ازیں اس ایڈیشن میں متعدد

اضافے کیے گئے ہیں جن میں فضیلۃ الشیخ صالح بن فوزان بن عبداللہ الفوزان حفظہ اللہ کے "محاضرات فی العقیدۃ والدعوۃ" سے خاص استفادہ کیا گیا ہے۔ جزاہ اللّٰہ احسن الجزاء۔

(حافظ) صلاح الدین یوسف

مدیر شعبہ تحقیق و تصنیف' دارالسلام' لاہور۔

رجب ۱۴۲۲ھ - اکتوبر ۲۰۰۱ء

باب : اوّل

لَآ اِلٰهَ اِلاَّ اللّٰه معنی و مطلب اور مقام و فضیلت

معنی و مطلب: لَآ اِلٰهَ میں لَاَ ' لائے نفی جنس ہے اور اِلٰهَ اس کا اسم ہے اور خبر محذوف ہے ' یعنی لَآ اِلٰهَ حَقٌّ (نہیں ہے کوئی معبود برحق) اِلاَّ اللّٰه (مگر اللہ) یہ خبر (حَقٌّ) سے استثناء ہے۔

اِلٰہ کے معنی ہیں ' وہ ذات جس کی عبادت میں دل وارفتہ ہو۔ یعنی اسی کی طرف دل مائل ہوں اور حصولِ نفع یا دفع ضرر کے لئے اسی کی طرف رجوع اور رغبت کریں۔

یہ کلمہ اثبات اور نفی دو چیزوں کا مجموعہ ہے۔ تمام مخلوقات سے الوہیت کی نفی اور اللہ کے لئے الوہیت کا اثبات۔ یعنی اللہ تعالیٰ ہی معبود برحق ہے اور اس کے سوا ' مشرکین نے جتنے بھی معبود بنا رکھے ہیں ' سب باطل ہیں۔

﴿ ذَٰلِكَ بِأَنَّ ٱللَّهَ هُوَ ٱلْحَقُّ وَأَنَّ مَا يَدْعُونَ مِن دُونِهِۦ هُوَ ٱلْبَٰطِلُ ﴾ (الحج ۲۲/ ٦٢)

"یہ اس لیے کہ اللہ ہی حق ہے اور اس کے سوا جن کو وہ پکارتے ہیں ' باطل ہیں۔"

یہ ترکیب ' جس میں پہلے نفی ہے اور پھر اثبات ' مثبت ترکیب اَللّٰهُ اِلٰهٌ (اللہ معبود ہے) سے زیادہ بلیغ ' مؤثر اور مفہوم کو زیادہ واضح کرنے والی ہے۔ اس لیے کہ مثبت ترکیب ' اللہ کی الوہیت کا اثبات تو کرتی ہے لیکن ماسوی اللہ کی الوہیت کی نفی نہیں کرتی۔ جبکہ " لَآ اِلٰهَ اِلاَّ اللّٰه " کی ترکیب ' الوہیت کو صرف اللہ کے لیے خاص اور دوسروں کی الوہیت کی نفی کر دیتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم میں جہاں بھی اللہ کی عبادت کا حکم ہے تو بالعموم ساتھ ہی غیروں کی عبادت کی نفی بھی ہے۔ جیسے فرمایا:

﴿ وَاعْبُدُوا اللّٰهَ وَلَا تُشْرِكُوا بِهِۦ شَيْـًٔا ﴾ (النساء٤/ ٣٦)

"اور اللہ کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک مت ٹھہراؤ۔"

﴿ فَمَن يَكْفُرْ بِالطّٰغُوتِ وَيُؤْمِنۢ بِاللّٰهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقَىٰ لَا انفِصَامَ لَهَا ﴾ (البقرة٢/ ٢٥٦)

"تو جو شخص طاغوت کا انکار کرے اور اللہ پر ایمان لے آئے' تو اس نے یقیناً مضبوط کڑا تھام لیا' جس کے لیے ٹوٹنا نہیں ہے۔"

﴿ وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِي كُلِّ أُمَّةٍ رَّسُولًا أَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاجْتَنِبُوا الطّٰغُوتَ ﴾ (النحل١٦/ ٣٦)

"اور یقیناً ہم نے ہر امت میں ایک رسول بھیجا (جس نے یہی پیغام دیا) کہ اللہ کی عبادت کرو اور طاغوت سے بچو!"

طاغوت کیا ہے جس سے بچنے کا حکم ہے؟ اللہ کے سوا جس کی بھی عبادت یا اطاعت کی جائے' وہ طاغوت ہے۔ یہ ضروری ہے کہ اللہ کی عبادت و اطاعت کے ساتھ طاغوت کی عبادت سے انکار اور اجتناب کیا جائے اور حدیث میں بھی نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

«مَنْ قَالَ لَآ إِلٰهَ إِلاَّ اللّٰهُ وَكَفَرَ بِمَا يُعْبَدُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ، حَرُمَ مَالُهُ وَدَمُهُ»(صحيح مسلم، الإيمان، باب الأمر بقتال الناس. . .، ح:٢٣)

"جس نے کہا' اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں' اور اللہ کے سوا جن کی عبادت کی جاتی ہے' ان سب کا اس نے انکار کیا' تو اس کا مال اور جان محفوظ ہو گیا۔"

اور ہر پیغمبر نے بھی اپنی قوم کو یہی پیغام دیا:

﴿ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُم مِّنْ إِلٰهٍ غَيْرُهُۥٓ ﴾ (الأعراف٧/ ٥٩)

"اللہ کی عبادت کرو' اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں۔"

اور یہی وجہ ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ نے مشرکین مکہ سے کہا کہ "لَآ اِلٰهَ اِلاَّ اللّٰه" کا اقرار کر لو' تو انہوں نے کہا:

﴿ أَجَعَلَ الْآلِهَةَ إِلٰهًا وَاحِدًا ۖ إِنَّ هٰذَا لَشَيْءٌ عُجَابٌ ۝٥ ﴾ (ص:٣٨/ ٥)

"کیا اس نے سارے معبودوں کو ایک ہی معبود بنا دیا ہے؟ یہ تو یقیناً بڑی ہی تعجب انگیز بات ہے۔"

اس سے معلوم ہوا کہ مشرکین نے یہ بات سمجھ لی تھی کہ اس کلمے کے اقرار کا مطلب ایک اللہ کی عبادت اور تمام بتوں کی عبادت کی نفی ہے۔ اور یہ بات ان کو پسند نہیں تھی۔ اسی لیے اس کے اقرار سے انہوں نے گریز کیا۔

" لَآ اِلٰهَ اِلاَّ اللّٰه " کا تقاضا: بہرحال " لَآ اِلٰهَ اِلاَّ اللّٰه " کا معنی و مطلب کا تقاضا یہ ہے کہ صرف ایک اللہ کی عبادت کی جائے اور اس کے ساتھ ساتھ دوسرے تمام خودساختہ معبودوں کی نفی کی جائے۔ چاہے وہ بتوں کی شکل میں ہوں یا شمس و قمر ہوں۔ احجار و اشجار ہوں یا قبوں اور مزاروں کی شکل میں ڈھلی ہوئی قبریں ہوں۔ اللہ واحد کی عبادت تب ہی متحقق ہو گی جب ان سب کی نفی ہو گی۔ اس نفی اور انکار و تردید ہی میں توحید کا اثبات ہے۔

اس سے ان لوگوں کی بھی تردید ہو جاتی ہے جو کہتے ہیں' کسی کی تردید نہ کرو' صرف مثبت انداز میں اپنا موقف و مسلک اور نقطۂ نظر بیان کر دو۔ کلمۂ " لَآ اِلٰهَ اِلاَّ اللّٰه " ہمیں سبق دیتا ہے کہ صرف حق کا اثبات ہی کافی نہیں ہے' بلکہ باطل کی تردید و تغلیط بھی ضروری ہے' اس کے بغیر حق نمایاں اور نکھر کر سامنے نہیں آتا۔ جیسے سورج کی روشنی تب ہی واضح ہوتی ہے جب رات کی تاریکی اپنا دامن سمیٹ لیتی ہے۔ رات کی تاریکی میں سورج اپنی تابناکیاں بکھیرنے سے قاصر رہتا ہے۔

" لَآ اِلٰهَ اِلاَّ اللّٰه " کا مقام و مرتبہ: اس کلمہ طیبہ کے مقام و مرتبہ کو واضح کرتے ہوئے امام ابن القیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "یہی کلمہ ہے جس کی وجہ سے آسمان و زمین قائم ہیں' تمام مخلوقات اس کی وجہ سے پیدا کی گئی' یہی پیغام دے کر اللہ نے اپنے تمام رسول بھیجے' اپنی کتابیں نازل اور اپنی شریعتیں مقرر فرمائیں۔ اسی کے لیے قیامت کے دن ترازو نصب ہوں گی اور رجسٹر (اعمال نامے) رکھے جائیں گے' اسی کلمہ کا نتیجہ جنت اور دوزخ کا وجود ہے' اسی کی وجہ سے مخلوق' مومن اور کافر دو حصوں میں بٹی ہوئی ہے' یہی خلق و امر الٰہی

اور ثواب و عقاب کا منشا ہے، اسی کی بابت سوال اور حساب ہو گا اور اسی پر ثواب و عقاب ہو گا، اسی کی بنیاد پر قبلہ مقرر کیا گیا اور ملت کی تاسیس عمل میں آئی، اسی کی خاطر میدان جہاد میں تلواریں میانوں سے باہر آئیں۔ یہی تمام بندوں پر اللہ کا حق ہے، یہی کلمۂ اسلام اور کلید دارالسلام (جنت) ہے، اسی کی بابت اوّل و آخر تمام انسانوں سے بازپرس ہو گی۔ اور کسی کو اللہ کے سامنے سے جنبش کرنے کی ہمت نہیں ہو گی جب تک دو باتوں کی بازپرس اس سے نہیں کر لی جائے گی۔

① تم عبادت کس کی کرتے رہے؟

② اور پیغمبروں کو تم نے کیا جواب دیا؟

پہلے سوال کا جواب "لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ" کا اقرار و اعتراف اور اس کے مطابق صرف اسی کی عبادت اور اطاعت و انقیاد ہے اور دوسرے سوال کا جواب "مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہ کی معرفت، اس کا اقرار اور اس کے مطابق عمل ہے۔" (زادالمعاد، ۱/۳۴)

یہی کلمہ کفر و اسلام کے درمیان فرق کرنے والا ہے۔ جو "لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ" کا اقرار و اعتراف کر لیتا ہے، وہ مسلمان اور جو اس کا اقرار نہیں کرتا وہ کافر ہے اور جو مسلمان ہے، اس کی جان و مال قابل احترام ہے، کسی دوسرے مسلمان کو اس کی جان یا مال پر دست درازی کرنے کی اجازت نہیں ہے اور جو کافر ہے اس کی جان و مال باطل ہے یعنی لڑائی کے موقعے پر مسلمانوں کے لیے اس کی دونوں چیزیں حلال ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے اسی کلمے کی خاطر انسانوں اور جنوں کو پیدا فرمایا۔ جیسے قرآن میں ہے:

﴿ وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ ﴿٥٦﴾ ﴾ (الذاریات۵۱/ ۵۶)

"میں نے انسانوں اور جنوں کو صرف اپنی عبادت کے لیے پیدا کیا ہے۔"

اور "لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ" اسی مقصد تخلیق کا سرنامہ اور عنوان ہے۔ تمام رسولوں کی بعثت کا مقصد اور غایت اُولیٰ بھی یہی کلمہ طیبہ ہے۔

﴿ وَمَا أَرْسَلْنَا مِن قَبْلِكَ مِن رَّسُولٍ إِلَّا نُوحِي إِلَيْهِ أَنَّهُ لَا إِلَٰهَ إِلَّا أَنَا فَاعْبُدُونِ ﴿٢٥﴾ ﴾ (الأنبياء۲۱/ ۲۵)

"اور ہم نے آپ سے پہلے جو رسول بھی بھیجا' اسے یہی وحی کی کہ معبود صرف میں ہی ہوں اس لئے تم میری ہی عبادت کرو۔"

اس سے معلوم ہو جاتا ہے کہ دین میں اور حیات انسانی میں اس کلمے کی کتنی اہمیت ہے۔ یہی بندوں کے ذمے پہلا فرض ہے' اس لئے کہ یہی وہ بنیاد ہے جس پر تمام اعمال کی عمارت اُستوار ہے۔

"لَآ اِلٰهَ اِلاَّ اللّٰه" کی فضیلت: اس کلمے کی فضیلت حسب ذیل احادیث سے واضح ہے۔

ایک حدیث میں نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

«أَفْضَلُ الذِّكْرِ: لَآ إِلٰهَ إِلاَّ اللهُ وَأَفْضَلُ الدُّعَاءِ: اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ»(جامع الترمذي، الدعوات، باب ما جاء أن دعوة المسلم مستجابة، ح: ٣٣٨٣)

"افضل ذکر "لَآ اِلٰهَ اِلاَّ اللّٰه" ہے اور افضل دعا "اَلْحَمْدُ لِلّٰه" ہے۔"

ایک دوسری حدیث میں ہے:

«خَيْرُ الدُّعَاءِ دُعَاءُ يَوْمِ عَرَفَةَ وَخَيْرُ مَا قُلْتُ أَنَا وَالنَّبِيُّوْنَ مِنْ قَبْلِي: لَآ إِلٰهَ إِلاَّ اللهُ وَحْدَهُ لاَ شَرِيْكَ لَهُ، لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ» (جامع الترمذي، الدعوات، باب في دعاء يوم عرفة، ح: ٣٥٨٥)

"بہترین دعا عرفے کے دن کی دعا ہے اور بہترین بات' جو میں نے اور مجھ سے پہلے پیغمبروں نے کہی' وہ "لَآ اِلٰهَ اِلاَّ اللّٰه" ہے۔ یعنی اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں' وہ اکیلا ہے اس کا کوئی شریک نہیں' اسی کے لیے بادشاہی اور حمد ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔"

تیسری حدیث' جس کا تعلق قیامت کے دن کے حساب کتاب سے ہے' اس سے بھی اس کلمہ طیبہ کی فضیلت کا اثبات ہوتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"قیامت کے دن اللہ تعالیٰ میرے ایک امتی کو برسر خلائق نجات عطا فرمائے گا' اللہ ننانوے رجسٹر اس کے سامنے کھول کر رکھ دے گا' ہر رجسٹر کا طول و عرض حد نگاہ تک ہو گا۔ پھر اللہ تعالیٰ کہے گا! کیا تو اس میں درج باتوں میں سے کسی کا انکار کرتا ہے؟ یا تیرے خیال

میں میرے لکھنے والے محافظین نے تجھ پر ظلم کیا ہے؟ وہ امتی کہے گا: نہیں‘ اے میرے رب! اللہ فرمائے گا: کیا تیرے پاس کوئی عذر ہے؟ وہ کہے گا: نہیں‘ اے میرے رب! اللہ تعالیٰ فرمائے گا: کیوں نہیں‘ ہمارے پاس تیری ایک نیکی ہے‘ بلاشبہ آج تجھ پر کوئی ظلم نہیں ہو گا۔ پھر کاغذ کا ایک ٹکڑا نکالا جائے گا جس میں یہ درج ہو گا۔ میں گواہی دیتا ہوں اس بات کی کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد (ﷺ) اس کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔ اللہ کہے گا: دونوں کا وزن کیا جاتا ہے‘ تو دیکھ! امتی کہے گا: اے میرے رب! اس ٹکڑے کی ان رجسٹروں کے سامنے کیا حیثیت ہے؟ اللہ فرمائے گا: تجھ پر ظلم نہیں کیا جائے گا۔ پس سارے رجسٹر ترازو کے ایک پلڑے میں رکھ دیئے جائیں گے اور کلمہ شہادت والا کاغذ کا ٹکڑا دوسرے پلڑے میں رکھ دیا جائے گا۔ لیکن قطعہ کاغذ والا پلڑا بھاری اور رجسٹروں والا پلڑا ہلکا ہو جائے گا۔ (اس لئے کہ) اللہ کے نام کے مقابلے میں کوئی چیز بھاری نہیں ہو سکتی۔" (ترمذی‘ الایمان‘ باب ماجاء فیمن یموت وھو یشھد ان لا الہ الا اللّٰہ‘ حدیث: ۲۶۳۹)

ایک اور حدیث میں ہے‘ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ حضرت نوح علیہ السلام نے اپنے بیٹے کو دو باتوں کی وصیت فرمائی‘ ان میں سے ایک بات یہ تھی کہ میں تجھے "لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه" کا حکم دیتا ہوں۔ پھر اس کی درج ذیل فضیلت بیان فرمائی۔

«فَإِنَّ السَّمٰوَاتِ السَّبْعَ وَالْأَرَضِيْنَ السَّبْعَ لَوْ وُضِعَتْ فِيْ كِفَّةٍ وَّوُضِعَتْ لَآ إِلٰهَ إِلَّا اللهُ فِيْ كِفَّةٍ رَجَحَتْ بِهِنَّ لَآ إِلٰهَ إِلَّا اللهُ وَلَوْ أَنَّ السَّمٰوَاتِ السَّبْعَ وَالْأَرَضِيْنَ السَّبْعَ كُنَّ حَلْقَةً مُّبْهَمَةً قَصَمَتْهُنَّ لَآ إِلٰهَ إِلَّا اللهُ» (مسند أحمد: ٢/ ١٧٠ وسلسلة الأحاديث الصحيحة، للألباني: ١/ ٢٥٩، ح: ١٣٤)

"ساتوں آسمان اور ساتوں زمینیں اگر ایک پلڑے میں اور "لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه" دوسرے پلڑے میں رکھا جائے‘ تو یہ دوسرا پلڑا اس کلمے کی وجہ سے بھاری ہو جائے گا اور اگر ساتوں آسمان اور ساتوں زمینیں ایک بند حلقہ ہوں‘ تو "لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه" ان کو توڑ دے

گا۔"

مذکورہ احادیث سے کلمہ "لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه" کی فضیلت واضح ہے۔

"لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه" کے فائدہ مند ہونے کی شرائط: ہر عمل کے کچھ آداب و شرائط ہوتے ہیں' جب تک ان کو ملحوظ نہ رکھا جائے' وہ عمل نتیجہ خیز اور ثمر آور نہیں ہوتا۔ اسی طرح "لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه" کی بڑی فضیلت ہے' لیکن دنیا و آخرت میں اس کے فائدہ مند ہونے کے لیے بھی کچھ شرطیں ہیں' جب تک وہ شرطیں بھی پوری نہیں ہوں گی' اس کے وہ فضائل اور فوائد بھی حاصل نہیں ہوں گے جو قرآن و حدیث میں بیان کئے گئے ہیں۔ یہ شرائط حسب ذیل ہیں۔

① اس کا جو مطلب و معنیٰ ہے اور اس کا جو مثبت اور منفی مفہوم ہے' پڑھنے والے کو اس کا علم ہو' تاکہ وہ اس کے تقاضوں پر عمل کر سکے۔

② پڑھنے والے کو یقین ہو' وہ شک میں مبتلا نہ ہو۔

③ وہ مخلص ہو' یعنی اس کو پڑھنے والا ہر کام اللہ ہی کی رضا کے لئے کرے' اس میں کسی اور کو شریک نہ کرے۔

④ اس کے اقرار و اعتراف میں وہ سچا اور اس کے تقاضوں کو سمجھنے والا ہو۔ منافقین کی طرح محض زبان سے اظہار ہو نہ جہالت کی وجہ سے اس کے تقاضوں سے انحراف ہو۔

ثمرات و برکات: جب "لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه" کے سب قائلین اس کے معنیٰ و مفہوم کو پورے طور پر سمجھتے ہوئے اس کے تقاضوں کو بروئے کار لائیں گے تو وہ سب ایک ہی معبود کے پرستار اور ایک ہی مطاع کے اطاعت گزار ہوں گے۔ عقیدہ و عمل کی یہ وحدانیت' توحید کا سب سے بڑا ثمرہ اور فائدہ ہے' اس سے سب مسلمان ایک کلمے پر مجتمع' تسبیح کے دانوں کی طرح ایک لڑی میں پروئے ہوئے اور دشمن کے مقابلے میں ایک دوسرے کے دست و بازو اور معاون ہوں گے۔ جیسے قرآن مجید میں اللہ تبارک و تعالیٰ نے مسلمانوں کو حکم دیا ہے۔

﴿ وَٱعۡتَصِمُواْ بِحَبۡلِ ٱللَّهِ جَمِيعٗا وَلَا تَفَرَّقُواْۚ ﴾ (آل عمران ۳/ ۱۰۳)

"اللہ کی رسی کو اکٹھے ہو کر تھام لو' اور جدا جدا نہ ہو۔"

عقیدۂ توحید کو اپنائے بغیر قرآن کے اس حکم پر عمل ممکن نہیں۔ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے اس عقیدے کو صحیح معنوں میں اپنایا تو وہ ایک ہو گئے' جب کہ پہلے وہ جدا جدا تھے' وہ بھائی بھائی بن گئے جب کہ پہلے وہ ایک دوسرے کے دشمن تھے' وہ ایک دوسرے پر رحم و کرم کرنے والے بن گئے' جب کہ پہلے وہ ایک دوسرے کے خون کے پیاسے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی اس باہمی الفت و محبت کے بارے میں فرمایا:

﴿ وَأَلَّفَ بَيْنَ قُلُوبِهِمْ ۚ لَوْ أَنفَقْتَ مَا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا مَّا أَلَّفْتَ بَيْنَ قُلُوبِهِمْ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ أَلَّفَ بَيْنَهُمْ ۚ ﴾ (الأنفال۸/ ٦٣)

"اس اللہ ہی نے ان کے دلوں کے درمیان الفت ڈالی' اگر آپ روئے زمین کے سارے خزانے بھی خرچ کر ڈالتے' تب بھی ان کے دلوں کے درمیان الفت نہیں ڈال سکتے تھے' لیکن یہ اللہ ہی ہے جس نے ان کے درمیان الفت ڈال دی۔"

اللہ نے یہ الفت کس طرح ڈالی؟ اسی عقیدۂ توحید کے ذریعے سے۔ اس نے انہیں اس عقیدے کو اپنانے کی توفیق دی اور یہ کلمۂ توحید ان کی وحدت اور باہمی الفت کا ذریعہ بن گیا۔ قرآن کریم میں اللہ نے اپنے اس احسان اور حقیقت کا ذکر دوسرے مقام پر اس طرح فرمایا ہے:

﴿ وَاذْكُرُوا نِعْمَتَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ إِذْ كُنتُمْ أَعْدَاءً فَأَلَّفَ بَيْنَ قُلُوبِكُمْ فَأَصْبَحْتُم بِنِعْمَتِهِ إِخْوَانًا ﴾ (آل عمران۳/ ۱۰۳)

"یاد کرو اللہ کی نعمت جو تم پر ہوئی جب تم باہم دشمن تھے۔ تو اس نے تمہارے دلوں کے درمیان الفت ڈال دی پس تم اس کے احسان سے بھائی بھائی ہو گئے۔"

اللہ نے ایک اور مقام پر ان کی باہمی محبت اور رحم دلی کی گواہی یوں دی۔

﴿ مُّحَمَّدٌ رَّسُولُ اللَّهِ ۚ وَالَّذِينَ مَعَهُ أَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ ۖ ﴾ (الفتح ٤٨/ ٢٩)

"محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ کے رسول ہیں' ان کے ساتھی کافروں پر سخت اور آپس میں ایک

دوسرے پر رحم کرنے والے ہیں۔"

آج مسلمانوں کے درمیان باہمی الفت و محبت کیوں نہیں؟ اس کی سب سے بڑی وجہ "لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه" کے مقتضیات سے انحراف اور وحدتِ عقیدہ کا فقدان ہے۔ حالانکہ اللہ نے اس تفریق کی سختی سے مذمت بیان فرمائی تھی۔ اللہ نے اپنے پیغمبر سے خطاب کر کے فرمایا:

﴿ إِنَّ ٱلَّذِينَ فَرَّقُواْ دِينَهُمْ وَكَانُواْ شِيَعًا لَّسْتَ مِنْهُمْ فِي شَيْءٍ ﴾ (الأنعام٦/ ١٥٩)

"بے شک وہ لوگ جنھوں نے اپنا دین الگ الگ بنالیا اور گروہ گروہ ہو گئے' آپ کا کسی معاملے میں ان سے کوئی تعلق نہیں۔"

ایسے تفریق بازوں کے لئے اللہ نے فرمایا:

﴿ فَتَقَطَّعُوٓاْ أَمْرَهُم بَيْنَهُمْ زُبُرًا كُلُّ حِزْبِۭ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُونَ ۝٥٣ ﴾

(المؤمنون٢٣/ ٥٣)

"انہوں نے اپنے معاملے (دین) کو اپنے درمیان ٹکڑے ٹکڑے کر لیا' ہر گروہ اپنے اپنے مزعومات میں خوش ہے۔"

یہ تفریق دین یا تفریق کلمہ' الٰہ واحد کی ربوبیت والوہیت سے انحراف ہی کے نتیجے میں ظہور پذیر ہوتی ہے۔ چنانچہ اس آیت سے پہلے اللہ نے فرمایا:

﴿ وَإِنَّ هَٰذِهِۦٓ أُمَّتُكُمْ أُمَّةً وَٰحِدَةً وَأَنَا۠ رَبُّكُمْ فَٱتَّقُونِ ۝٥٢ ﴾ (المؤمنون٢٣/ ٥٢)

"بلاشبہ یہ امت' ایک ہی امت ہے اور میں تمہارا رب ہوں' پس مجھ ہی سے ڈرو۔"

معلوم ہوا کہ وحدتِ امت کی بنیاد وحدتِ عقیدہ یعنی رب واحد ہی سے ڈرنا اور اسی کی عبادت و اطاعت کرنا ہے۔ جب سب ایک ہی رب کے پجاری اور ایک ہی رب کے فرماں بردار ہوں گے تو عقیدے کی اس وحدت سے زندگی کے ہر شعبے میں وحدت کی جلوہ گری ہو گی۔ ان کی عبادت کا طریقہ ایک ہو گا' ان کا اخلاق و کردار ایک جیسا ہو گا' ان کے حلال و حرام کے پیمانے ایک ہوں گے' ان کا دشمن ایک ہو گا یعنی صرف وہ جو الٰہ واحد کی عبادت و اطاعت سے انکار کرنے والا اور دوسرے معبودوں کا پرستار ہو گا۔ اس طرح اس عقیدۂ توحید سے انسانی معاشرہ امن و اخوت کی عطر بیز ہواؤں سے معمور اور باہم ظلم وعدوان سے

مامون (پاک) ہو گا۔ اس باہم اتفاق و اتحاد ہی سے دشمن بھی لرزاں و ترساں ہو گا اور یہ اجتماعی قوت ہی' جس کے ساتھ اللہ کی تائید و نصرت بھی ہو' دنیا میں عزت و سرفرازی کی اور اختیار و اقتدار سے بہرہ ور ہونے کی بنیاد ہے۔ جیسے اللہ نے فرمایا:

﴿ وَعَدَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنكُمْ وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْأَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِينَهُمُ الَّذِي ارْتَضَىٰ لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُم مِّن بَعْدِ خَوْفِهِمْ أَمْنًا ۚ يَعْبُدُونَنِي لَا يُشْرِكُونَ بِي شَيْئًا ﴾

(النور ٢٤/ ٥٥)

"اللہ نے ان لوگوں سے' جو تم میں سے ایمان لائیں اور عمل صالح اختیار کریں' وعدہ کیا ہے کہ وہ ان کو ضرور زمین میں جانشینی (خلافت) عطا کرے گا' جیسے اس نے ان سے پہلے لوگوں کو جانشینی عطا کی تھی اور ان کے اس دین (اسلام) کو' جسے اس نے ان کے لئے پسند کیا ہے' ان کے لیے غلبہ عطا فرمائے گا اور ان کو ان کے خوف کے بعد' بدلے میں امن عطا فرمائے گا' وہ میری ہی عبادت کریں گے' میرے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہرائیں گے۔"

اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنا یہ وعدہ اسلام کے قرونِ اُولیٰ میں پورا فرمایا۔ کیونکہ اس دور کے مسلمانوں نے اس شرط کو پورا کر دکھایا' انہوں نے ایمان اور عمل صالح کی زندگی بھی اختیار کی اور صرف اللہ واحد کی عبادت کا اہتمام بھی کیا' شرک کے تمام مظاہر کو انہوں نے اکھاڑ پھینکا۔ اللہ نے ان کو اس کے بدلے میں دنیا و آخرت کی سعادتوں اور کامیابیوں سے ہمکنار کیا۔

آج مسلمان اپنے عہد رفتہ کی سی عظمت و کامرانی حاصل کرنا چاہتے ہیں' تو اس کے لیے وہی نسخۂ کیمیا ہے جو صحابہ و تابعین نے استعمال کیا تھا۔ ایمان اور عمل والی زندگی اور بے غبار عقیدۂ توحید اور اس کے مقتضیات پر عمل۔ اللہ تعالیٰ عمل کی توفیق سے نوازے۔

محض زبان سے کلمہ پڑھنا کافی نہیں' اس کے تقاضوں پر عمل کرنا بھی ضروری ہے:

گزشتہ مباحث سے یہ واضح ہو چکا ہے کہ محض زبان سے "لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ" کہہ دینا' کوئی

معنی نہیں رکھتا۔ جب تک کہنے والا اس کے معنی و مفہوم کو نہیں سمجھتا اور اس کے تقاضوں کو بروئے کار نہیں لاتا' اس وقت تک اس کا فائدہ دنیا میں حاصل ہوتا ہے نہ آخرت ہی میں اس کی کوئی امید کی جاسکتی ہے ؎

زبان سے کہہ بھی دیا لا الٰہ تو کیا حاصل
دل و نگاہ مسلمان نہیں تو کچھ بھی نہیں

لیکن بعض لوگوں کو بعض احادیث کے ظاہری الفاظ سے یہ مغالطہ لگتا ہے کہ زبان سے "لَآ اِلٰهَ اِلاَّ اللّٰه" پڑھ لینا ہی کافی ہے' اس کے مقتضیات پر عمل ضروری نہیں۔ جیسے پہلے ایک حدیث گزری ہے کہ "ایک شخص کی حد نگاہ تک اس کی برائیوں کے رجسٹر ہی رجسٹر ہوں گے اور اس کے مقابلے میں ایک پرچی "لَآ اِلٰهَ اِلاَّ اللّٰه" کی گواہی کی ہو گی' تو یہ پرچی تمام رجسٹروں پر بھاری رہے گی۔" اسی طرح بعض روایات میں ہے کہ "لَآ اِلٰهَ اِلاَّ اللّٰه پڑھنے والے پر دوزخ کی آگ حرام ہے۔"

یہ روایات اپنی جگہ صحیح ہیں' لیکن یہ روایات صرف ان لوگوں کے لیے ہیں جو خلوص دل سے کفر و شرک سے تائب ہو جائیں لیکن توبہ کے ساتھ ہی انہیں موت آ جائے' عمل کا انہیں موقع ہی نہ ملے۔ مگر چونکہ ان کی توبہ خالص تھی' اللہ کی وحدانیت کو انہوں نے دل کی گہرائی سے قبول کر لیا تھا' اللہ کی محبت سے ان کا دل لبریز اور کفر و شرک اور اللہ کی نافرمانیوں سے ان کا دل سخت متنفر ہو گیا تھا' تو ان کا یہ کمالِ یقین و اخلاص' محبت الٰہی اور ترک معصیت کا عزم بالجزم' عمل کے قائم مقام ہو جائے گا اور اللہ تعالیٰ انہیں اس کلمہ طیبہ کی بدولت جنت میں داخل فرما دے گا۔ تاہم جن کو یہ کلمہ پڑھنے کے بعد یہ موقعہ ملے گا کہ وہ اپنے عمل کے ذریعے سے اس کی سچائی کو واضح اور ثابت کریں' لیکن وہ اس کے مقتضیات پر عمل کر کے اپنی سچائی کو ثابت کرنے میں ناکام رہیں گے' تو ایسے لوگوں کا محض زبان سے "لَآ اِلٰهَ اِلاَّ اللّٰه" کہہ دینا عنداللہ کافی نہیں ہو گا۔ چنانچہ دوسری روایات سے یہ بات بھی ثابت ہے۔ جیسے حدیث میں ہے کہ ایک مرحلے پر جہنم سے "لَآ اِلٰهَ اِلاَّ اللّٰه" کہنے والوں کو نکالا جائے گا۔ اسی طرح یہ بھی حدیث میں ہے کہ "ایسے لوگوں کے لیے اللہ تعالیٰ

ان کی سجدے والی جگہوں پر جہنم کی آگ حرام فرمادے گا۔" گویا ان کا سارا جسم جہنم میں جلے اور سڑے گا لیکن اعضائے سجود محفوظ رہیں گے۔

اس طرح دونوں قسم کی روایات میں تطبیق بھی ہو جاتی ہے اور ان کے مابین منافات نہیں رہتی اور عقل بھی مذکورہ دونوں قسم کے افراد کے درمیان فرق کو تسلیم کرتی ہے۔ گویا عقل اور نقل دونوں اعتبار سے یہ موقف صحیح ہے۔ جس کی صراحت مذکورہ سطور میں کی گئی ہے۔

ایک اور شبہہ اور اس کا ازالہ : ایک شبہہ یہ پیش کیا جاتا ہے کہ نبی ﷺ نے ایک لشکر جہاد کے لیے بھیجا' وہاں فتح یابی کے بعد ایک واقعہ یہ پیش آیا کہ شکست خوردہ کافر قبیلے کا ایک شخص ان کو ملا' اس نے " لَآ اِلٰهَ اِلاَّ اللّٰه " پڑھا' لیکن حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ نے سمجھا کہ یہ شخص جان بچانے کے لیے کلمہ پڑھ رہا ہے' چنانچہ انہوں نے اس کا اعتبار نہیں کیا اور اسے قتل کر دیا۔ جب یہ بات نبی ﷺ تک پہنچی' تو آپ نے سخت ناراضی کا اظہار فرمایا اور اسامہ سے فرمایا: ((اَقَتَلْتَهُ بَعْدَ مَا قَالَ لَآ اِلٰهَ اِلاَّ اللّٰهُ)) "تو نے اسے " لَآ اِلٰهَ اِلاَّ اللّٰه " پڑھنے کے بعد قتل کر دیا؟" حضرت اسامہ نے کہا' اللہ کے رسول! اس نے جان بچانے کے لیے ہی کلمہ پڑھا تھا۔ آپ نے فرمایا: ((اَفَلاَ شَقَقْتَ عَنْ قَلْبِهٖ حَتّٰی تَعْلَمَ اَقَالَهَا اَمْ لاَ)) "تو نے اس کا دل چیر کر کیوں نہ دیکھ لیا تاکہ تجھے معلوم ہو جاتا کہ اس نے (دلی یقین کے ساتھ) کلمہ پڑھا ہے یا نہیں؟" آپ بار بار یہی الفاظ دہراتے رہے۔ (صحیح مسلم' الایمان' باب تحریم قتل الکافر بعد قولہ' لا الٰہ الاَّ اللّٰہ' ح:۹٦)

اس کے پیش کرنے سے ان کا مقصد یہ کہنا ہوتا ہے کہ زبانی اقرار کی بھی بڑی اہمیت ہے اور جو شخص زبان سے " لَآ اِلٰهَ اِلاَّ اللّٰه " پڑھتا ہو' چاہے وہ اس کے مقتضیات پر عمل کرتا ہو یا نہ کرتا ہو' اس کے خلاف کوئی کارروائی نہیں کی جا سکتی' نہ اس کی تکفیر ہی کی جا سکتی ہے۔ لیکن اس واقعے اور حدیث سے صرف یہ ثابت ہوتا ہے کہ جو شخص اسلام کا اظہار کرتا اور کلمہ پڑھتا ہے تو اس کے خلاف فوری کارروائی نہ کی جائے۔ اس کلمے کے پڑھنے سے اس کی جان اور مال محفوظ ہو گیا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں ہے کہ اس

طرح کا اظہار کرنے والے اپنے عمل سے مسلسل اس کے خلاف ثبوت پیش کر رہے ہوں' تب بھی ان کے خلاف کوئی کارروائی نہ کی جائے۔ یا ان کا عقیدہ و عمل "لَآ اِلٰهَ اِلاَّ اللّٰه" کے معنی و مفہوم اور مقتضیات کے خلاف ہو' تب بھی ان کی تکفیر جائز نہ ہو۔

اس کی دلیل یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ایک طرف تو یہ فرمایا کہ "کیا تو نے اسے "لَآ اِلٰهَ اِلاَّ اللّٰه" کہنے کے بعد قتل کر دیا؟" اسی طرح آپ نے یہ بھی فرمایا:

«أُمِرْتُ أَنْ أُقَاتِلَ النَّاسَ حَتَّى يَقُوْلُوْا لَا إِلٰهَ إِلاَّ اللّٰهُ»(صحيح البخاري، الاعتصام بالكتاب والسنة، باب الاقتداء بسنن رسول الله ﷺ، ح: ٧٢٨٥)

"مجھے حکم دیا گیا ہے کہ لوگ جب تک "لَآ اِلٰهَ اِلاَّ اللّٰه" کا اقرار نہ کریں' میں ان سے قتال کروں۔"

اس کا مطلب یہ ہے کہ "لَآ اِلٰهَ اِلاَّ اللّٰه" کا اقرار کر لینے کے بعد کوئی کارروائی کرنی جائز نہیں ہے۔ لیکن دوسری طرف آپ نے خارجیوں کی بابت فرمایا کہ یہ ایک گروہ پیدا ہو گا' جو قرآن اور نماز پڑھے گا' ایمان کا اظہار کرے گا' لیکن یہ تینوں چیزیں ان کے گلوں سے نیچے نہیں اتریں گی' وہ بڑے عبادت گزار ہوں گے' ان کی نمازوں' روزوں اور قراءت کے مقابلے میں تمہیں اپنی نمازیں' تلاوت وغیرہ حقیر معلوم ہوں گی۔ لیکن اس کے باوجود آپ نے ان کی بابت فرمایا:

«فَأَيْنَمَا لَقِيْتُمُوْهُمْ فَاقْتُلُوْهُمْ»(سنن أبي داود، السنة، باب في قتال الخوارج، ح: ٤٧٦٧)

"جہاں بھی تم انہیں ملو' انہیں قتل کر دو۔"

آپ نے یہ بھی فرمایا:

«لَئِنْ أَنَا وَاللّٰهِ أَدْرَكْتُهُمْ لأَقْتُلَنَّهُمْ قَتْلَ عَادٍ»(سنن أبي داود، السنة، باب في قتال الخوارج، ح: ٤٧٦٤)

"اللہ کی قسم! اگر میں نے انہیں پا لیا تو میں انہیں قوم عاد کی طرح قتل کر دوں گا۔"

چنانچہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بعد میں اس پر عمل کیا اور ان سے قتال کیا۔

یہاں دیکھ لیجئے! خوارج کو " لَآ اِلٰهَ اِلاَّ اللّٰه " کہنے کا کوئی فائدہ حاصل ہوا اور نہ کثرتِ عبادت کا۔ کیوں؟ اسی لیے کہ انہوں نے زبان سے تو " لَآ اِلٰهَ اِلاَّ اللّٰه " کہہ دیا' لیکن ان کا عمل اس کے خلاف تھا۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے طرزِ عمل سے بھی اس نکتے کی وضاحت ہوتی ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد کچھ لوگوں نے زکوٰۃ دینے سے انکار کر دیا' باقی اسلام پر وہ عمل کر رہے تھے۔ لیکن اس کے باوجود خلیفۂ رسول حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ان سے قتال کرنے کے عزم کا اظہار فرمایا' اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اعتراض کیا اور کہا آپ ان سے قتال کریں گے جو " لَآ اِلٰهَ اِلاَّ اللّٰه " کا اقرار کرتے ہیں؟ جبکہ ایسے لوگوں کے جان و مال کے تحفظ کی ضمانت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دی ہے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

«وَاللهِ لأُقَاتِلَنَّ مَنْ فَرَّقَ بَيْنَ الصَّلَاةِ وَالزَّكَاةِ، فَإِنَّ الزَّكَاةَ حَقُّ الْمَالِ وَاللهِ لَوْ مَنَعُوْنِي عَنَاقًا كَانُوْا يُؤَدُّوْنَهَا إِلٰى رَسُوْلِ اللهِ ﷺ لَقَاتَلْتُهُمْ عَلٰى مَنْعِهَا»

"اللہ کی قسم! میں ان سے ضرور قتال کروں گا جو نماز اور زکوٰۃ کے درمیان فرق کر رہے ہیں۔ اس لیے کہ (جیسے نماز اللہ کا حق ہے اسی طرح) زکوٰۃ مال کا حق ہے (جو اللہ نے بندوں کے مالوں میں رکھا ہے) اللہ کی قسم! اگر وہ ایک بکری کا بچہ بھی مجھے دینے سے انکار کریں گے جو وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو (زکوٰۃ میں) ادا کرتے تھے' تو میں اس کے بھی روک لینے پر ان سے لڑوں گا۔"

حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

«فَوَاللهِ مَا هُوَ إِلاَّ أَنْ رَأَيْتُ أَنْ قَدْ شَرَحَ اللهُ صَدْرَ أَبِيْ بَكْرٍ لِّلْقِتَالِ فَعَرَفْتُ أَنَّهُ الْحَقُّ» (صحيح البخاري، استتابة المرتدين، باب قتل من أبى قبول الفرائض ....، ح: ٦٩٢٤)

"اللہ کی قسم! (جب میں نے ابوبکر کے موقف پر غور کیا تو) میں نے یہی دیکھا کہ اللہ نے ان لوگوں سے قتال کے لیے ابوبکر کا سینہ کھول دیا ہے اور میں نے بھی جان لیا کہ یہی

بات حق ہے۔"

اس سے معلوم ہوا کہ پہلے صحابہ کرام نے یہی سمجھا کہ جو زبان سے "لَآ اِلٰهَ اِلاَّ اللّٰه مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰه" کا اقرار کرتا ہے' تو مجرد اقرار ہی اس بات کے لیے کافی ہے کہ اس کے خلاف کوئی کارروائی نہ کی جائے' اس لیے انہوں نے مانعین زکوٰۃ سے قتال میں توقف کیا۔ لیکن حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا' نہیں۔ محض زبان سے اقرار کر لینا کافی نہیں ہے بلکہ اس کلمے کے حقوق اور اس کے مقتضیات کی ادائیگی بھی ضروری ہے' جب تک ایسا نہیں ہو گا' مجرد اقرار سے کچھ نہیں ہو گا اور وہ قتال میں مانع نہیں۔

ہمارے دور میں اس کی مثال مرزائی حضرات ہیں۔ یہ لوگ بھی "لَآ اِلٰهَ اِلاَّ اللّٰه مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰه" کا اقرار کرتے ہیں۔ لیکن چونکہ ان کا عقیدہ و عمل اس کلمے کے مقتضیات کے خلاف ہے۔ اس لیے علمائے امت نے ان کے اس اقرار کو کوئی اہمیت نہیں دی اور انہیں بالاتفاق کافر و مرتد اور دائرۂ اسلام سے خارج قرار دیا۔

بالکل اسی طرح جو شخص "لَآ اِلٰهَ اِلاَّ اللّٰه مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰه" کا اقرار تو کرتا ہے' لیکن اس کا عقیدہ و عمل اس کے مقتضیات کے خلاف یعنی مشرکانہ ہے یا اس کی محبت و عقیدت اور اطاعت کا محور اللہ کے رسول کے علاوہ کوئی اور ہے' تو وہ مسلمان کس طرح رہ سکتا ہے؟ حضرت حسن بصری سے کہا گیا کہ کچھ لوگ کہتے ہیں' جس نے "لَآ اِلٰهَ اِلاَّ اللّٰه" پڑھ لیا' وہ جنتی ہے۔ حضرت حسن بصری رحمہ اللہ نے فرمایا:

«مَنْ قَالَ لَا إِلٰهَ إِلاَّ اللّٰهُ فَأَدّٰى حَقَّهَا وَفَرْضَهَا دَخَلَ الْجَنَّةَ»

"جس نے "لَآ اِلٰهَ اِلاَّ اللّٰه" کہا' پھر اس نے اس کا حق اور فرض بھی ادا کیا' تو وہ جنتی ہے۔"

حضرت وہب بن منبہ (تلمیذ حضرت ابو ہریرہ) سے بھی کسی نے سوال کیا:

«أَلَيْسَ لَا إِلٰهَ إِلاَّ اللّٰهُ مِفْتَاحُ الْجَنَّةِ»

"کیا "لَآ اِلٰهَ اِلاَّ اللّٰه" جنت کی چابی نہیں ہے؟"

تو انہوں نے فرمایا:

«بَلٰی، وَلٰکِنْ مَّا مِنْ مِّفْتَاحٍ إِلاَّ لَهُ أَسْنَانٌ فَإِنْ جِئْتَ بِمِفْتَاحٍ لَّهُ أَسْنَانٌ فُتِحَ لَكَ وَإِلاَّ لَمْ يُفْتَحْ لَكَ»

''کیوں نہیں۔ (یقیناً یہ جنت کی چابی ہے) لیکن کوئی چابی دندانوں کے بغیر نہیں ہوتی۔ اگر تو دندانوں والی چابی لے کر آئے گا' تو تیرے لیے جنت کا دروازہ کھول دیا جائے گا' بصورت دیگر یہ دروازہ تیرے لیے نہیں کھولا جائے گا۔'' (محاضرات فی العقیدۃ والدعوۃ للشیخ صالح بن فوزان)

یہ دندانے کیا ہیں؟ '' لَآ اِلٰهَ اِلاَّ اللّٰہ '' کے تقاضوں پر پورا عمل۔ اور اگر عمل اس کے تقاضوں کے خلاف ہوا' تو اس کی مثال دندانوں کے بغیر چابی کی سی ہے جس سے تالا نہیں کھلتا۔ جنت کا تالا بھی محض زبانی کلمہ کی چابی سے نہیں کھلے گا' جب تک اس کے تقاضوں کے مطابق عمل بھی نہیں ہو گا۔

باب : دوم

توحید کی حقیقت' قسمیں اور تقاضے

یہ بات تو متحقق اور واضح ہے کہ اللہ تعالیٰ موجود ہے اور عرش پر مستوی ہے' اس بات پر سب مسلمانوں کا ایمان ہے۔ لیکن اس کے باوجود یہ حقیقت ہے کہ ایمان باللہ کے تقاضوں سے مسلمانوں کی اکثریت ناآشنا ہے' اس لئے وہ توحید کی حقیقت' اس کی قسموں اور تقاضوں سے غافل اور مشرکانہ عقیدوں میں مبتلا ہے۔ بنابریں ضروری ہے کہ پہلے اللہ پر ایمان رکھنے کا مطلب اور اس کے تقاضوں کو سمجھا جائے' تاکہ توحید کی صحیح حقیقت سمجھ میں آجائے۔

اللہ کے ماننے کا مطلب یہ ہے کہ یہ عقیدہ رکھا جائے کہ اللہ ہر چیز کا رب اور مالک ہے' وہی ہر چیز کا خالق اور اپنی مخلوق کا مدبر و منتظم ہے۔ وہی اس بات کا مستحق ہے کہ اس کی عبادت کی جائے اور اس میں کسی کو شریک نہ کیا جائے۔ نماز' روزہ' دعا و استغاثہ' خوف و رجاء اور ذلت و عاجزی' سب اسی کا حق ہے نہ کسی کے لئے نماز پڑھی جائے' نہ روزہ رکھا جائے۔ کسی سے دعا و فریاد کی جائے' نہ مافوق الاسباب طریقے سے کسی کا خوف رکھا جائے' نہ کوئی امید اس سے وابستہ کی جائے۔ اسی کے سامنے ذلت و عاجزی کا اظہار کیا جائے' اس کے علاوہ کوئی ایسی ذات نہیں کہ جس کے سامنے عبودیت و بندگی والی ذلت و عاجزی کا مظاہرہ کیا جائے۔ وہ تمام صفاتِ کمال سے متصف اور ہر عیب و نقص سے پاک ہے۔

اس اعتبار سے اللہ کے ماننے میں توحید کی تینوں قسمیں آجاتی ہیں۔ توحید ربوبیت' توحید الوہیت اور توحید اسماء و صفات۔

اس کی مختصر تفصیل آئندہ صفحات میں درج ہے۔

<u>توحید ربوبیت:</u> اس کا مطلب' اس عقیدے پر یقین رکھنا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی ہر چیز کا رب

ہے' اس کے سوا کوئی رب نہیں۔ رب کے لغوی معنی ہیں' مالک اور مدبر (انتظام کرنے والا اور ضرورت کی ہر چیز مہیا کرنے والا) وہ اپنی مخلوقات کا مربی ہے' کا مطلب ہو گا' ان کو پیدا کرنے والا بھی وہی اکیلا ہے اور مالک بھی وہی ہے اور ان کے تمام معاملات کی تدبیر بھی صرف اسی کے ہاتھ میں ہے۔ پس توحید ربوبیت کے معنی ہوں گے کہ یہ اقرار کیا جائے کہ وہی مخلوق کا خالق و مالک ہے' وہی ان کو زندگی عطا کرنے والا اور مارنے والا ہے' وہی ان کا نافع اور ضار ہے' اضطرار اور مصیبت کے وقت وہی دعاؤں کا سننے والا اور فریاد رسی کرنے والا ہے' وہی دینے اور روکنے والا ہے' ساری کائنات اسی کی مخلوق ہے اور اسی کا حکم اس میں نافذ ہے:

﴿ أَلَا لَهُ ٱلْخَلْقُ وَٱلْأَمْرُ ۗ تَبَارَكَ ٱللَّهُ رَبُّ ٱلْعَٰلَمِينَ ﴿٥٤﴾ ﴾ (الأعراف ٧/ ٥٤)

"خبردار! پیدائش بھی اسی کا کام ہے اور حکم بھی اسی کا چلتا ہے' بڑا بابرکت ہے وہ اللہ' جو رب ہے تمام جہانوں کا۔"

قرآن کریم میں مذکورہ تمام باتوں کو بڑی وضاحت اور تکرار کے ساتھ بیان کیا گیا ہے' کیونکہ یہ توحید ربوبیت ہی توحید کی دوسری قسموں کے لئے بھی بنیاد و اساس ہے۔ جب یہ مسلم ہے کہ اللہ ہی کائنات کا خالق و مالک ہے اور کائنات کا نظم و تدبیر بھی تمام تر اسی کے اختیار میں ہے' تو اس سے از خود یہ پہلو ثابت ہو جاتا ہے کہ عبادت کا مستحق بھی وہی ہے' خشوع خضوع کا اظہار بھی اسی کے سامنے کیا جانا چاہیئے' وہی حمد و شکر کا سزاوار اور دعا و استغاثہ کے لائق ہے۔ اس لئے کہ یہ سب باتیں اسی کے لئے زیبا ہیں جو خلق و امر کا مالک ہے۔ بہ الفاظ دیگر یوں بھی کہا جا سکتا ہے کہ خالق و مالک اور مدبر و متصرف ہی اس بات کے لائق ہے کہ وہ جلال و جمال اور کمال کی صفات سے متصف ہو' اس لئے کہ رب العالمین وہی ہو سکتا ہے جو ان صفات کا مالک ہو' ورنہ جو ہمیشہ زندہ رہنے والا نہ ہو' سمیع و بصیر نہ ہو' ہر طرح کی قدرت سے بہرہ ور نہ ہو' جو چاہے اسے کرنے کا اختیار رکھنے والا نہ ہو اور اپنے اقوال و افعال میں حکیم نہ ہو' تو وہ رب نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ ان صفات سے محروم رب اپنی مخلوقات کا علم نہیں رکھ سکتا اور جو اپنی مخلوقات سے باخبر نہ ہو' وہ ان کی حفاظت

کا فریضہ کس طرح انجام دے سکتا ہے؟ اور جو اپنی مخلوقات کی حفاظت نہ کر سکتا ہو، وہ رب کیوں کر ہو سکتا ہے؟ بنا بریں جو لوگ اس بات کا تو اقرار کریں کہ کائنات کا خالق اور رب اللہ ہی ہے (یعنی توحید ربوبیت کو تو مانیں) لیکن عبادت میں وہ اللہ کے ساتھ دوسروں کو بھی شریک کریں (یعنی توحید الوہیت کو تسلیم نہ کریں) اسی طرح وہ اللہ کی صفات کی نفی کریں، یا ان کو مخلوقات کی صفات کے ساتھ تشبیہہ دیں یا ان کی دور از کار توجیہہ اور فاسد تاویل کریں (یعنی توحید اسماء و صفات کا انکار کریں) تو اس کا واضح مطلب ہے کہ انہوں نے اس توحید کو نہیں مانا جو انہیں دائرہ کفر و شرک سے نکال کر دائرہ ایمان میں لے آئے۔ چنانچہ یہ واقعہ ہے کہ مشرکین مکہ اقرار کرتے تھے کہ ہر چیز کا خالق، اللہ ہے اس کے باوجود اللہ نے ان کو مشرک کہا، کیوں؟ اسی لئے کہ انہوں نے یہ تو مانا کہ رب ایک ہی ہے، لیکن یہ نہیں مانا کہ الٰہ (بھی) ایک ہی ہے اور اس وجہ سے انہوں نے غیروں کو بھی عبادت میں شریک کیا۔ اسی طرح انہوں نے اسماء و صفات باری تعالیٰ میں بھی اللہ کو واحد نہیں مانا اور اس کی بعض صفات کا انکار کیا یا ان جیسی صفات مخلوق میں بھی تسلیم کیں۔ اسی لئے اللہ نے ان کی بابت فرمایا:

﴿ وَمَا يُؤْمِنُ أَكْثَرُهُم بِٱللَّهِ إِلَّا وَهُم مُّشْرِكُونَ ﴿١٠٦﴾ ﴾ (یوسف ۱۲/ ۱۰۶)

”اللہ کو ماننے والے اکثر مشرک ہیں۔“

یعنی انہوں نے یہ تو مانا کہ ان کا خالق، رازق اور زندگی اور موت دینے والا اللہ ہے، لیکن عبادت وہ غیروں کی بھی کرتے رہے، یوں وہ اپنے ناقص ایمان کی وجہ سے ایمان باللہ کے باوجود مشرک ہی رہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ مسلمان ہونے کے لئے ضروری ہے کہ توحید ربوبیت کے ساتھ، توحید الوہیت اور توحید اسماء و صفات پر بھی ایمان رکھا جائے۔ اس کے بغیر کوئی شخص بھی مومن اور مسلمان نہیں ہو سکتا۔

مشرکین اور توحید ربوبیت : گزشتہ تفصیل سے توحید ربوبیت کا مفہوم تو واضح ہو چکا ہے کہ ہر چیز کا پیدا کرنے والا اللہ ہے۔ توحید کی یہ قسم تمام مشرکین بھی مانتے ہیں اور مانتے

رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿ وَلَئِن سَأَلْتَهُم مَّنْ خَلَقَهُمْ لَيَقُولُنَّ ٱللَّهُ ﴾ (الزخرف ۸۷/٤۳)

"اگر آپ ان سے پوچھیں کہ کس نے ان کو پیدا کیا؟ تو یقیناً وہ یہی کہیں گے' اللہ نے۔"

﴿ قُلْ مَن يَرْزُقُكُم مِّنَ ٱلسَّمَآءِ وَٱلْأَرْضِ أَمَّن يَمْلِكُ ٱلسَّمْعَ وَٱلْأَبْصَٰرَ وَمَن يُخْرِجُ ٱلْحَىَّ مِنَ ٱلْمَيِّتِ وَيُخْرِجُ ٱلْمَيِّتَ مِنَ ٱلْحَىِّ وَمَن يُدَبِّرُ ٱلْأَمْرَ ۚ فَسَيَقُولُونَ ٱللَّهُ ﴾ (یونس ۳۱/۱۰)

"اور ان سے پوچھئے تمہیں آسمان و زمین سے روزی کون دیتا ہے؟ تمہارے کانوں اور آنکھوں کا مالک کون ہے؟ زندہ کو مردہ سے اور مردہ کو زندہ سے کون نکالتا ہے؟ اور معاملے کی تدبیر کون کر رہا ہے؟ تو وہ یہی جواب دیں گے' اللہ۔"

یہ ہے توحید ربوبیت' لیکن صرف یہ اقرار کر لینے والا کہ ہر چیز کا خالق' مالک' رازق اور مدبر صرف اللہ ہے' ضروری نہیں کہ وہ توحید الوہیت اور توحید اسماء و صفات کو بھی مانتا ہو۔ اس لئے کہ انسانوں کی اکثریت اللہ کی ربوبیت کو تسلیم کرتی ہے' لیکن اس کے باوجود وہ اس کے ساتھ دوسروں کی بھی عبادت کرتی ہے۔

(۲) توحید الوہیت : اس کا مطلب ہے' یہ عقیدہ رکھا جائے کہ معبود بھی صرف وہی اللہ ہے' اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ عبادت کی تمام قسمیں صرف اسی کے ساتھ خاص ہیں۔ عبادت کے لغوی معنی ہیں' سرفگندگی' ذلت و عاجزی اور خشوع و خضوع۔ اور بعض علماء نے معنی کیے ہیں' کمال خضوع کے ساتھ کمال محبت۔ اس اعتبار سے توحید الوہیت کے مفہوم میں یہ بات شامل ہو گی کہ عبادت میں اخلاص کامل ہو' یعنی اس کا کوئی حصہ بھی غیراللہ کے لئے نہ ہو۔

پس ایک مومن صرف اللہ کی عبادت کرتا ہے اس کے ساتھ کسی اور کی عبادت نہیں کرتا' اس کی محبت بھی صرف اللہ کے ساتھ ہوتی ہے' اس کے دل میں خوف بھی صرف اللہ کا ہوتا ہے' اس کی امیدیں بھی اسی سے وابستہ ہوتی ہیں' اس کا اعتماد و توکل بھی اسی پر

ہوتا ہے، دعا و فریاد بھی وہ اسی سے کرتا ہے اور اطاعت و فرماں برداری بھی صرف اسی کی۔ نذر ہو نیاز بھی اسی کے نام کی دیتا ہے کسی اور کے نام پر نہیں، اپنی جبین نیاز بھی اسی کے آگے جھکاتا اور عاجزی و ذلت کا اظہار بھی اسی کے سامنے کرتا ہے۔ غرض عبادت کی جتنی بھی شکلیں اور صورتیں ہیں، وہ صرف اور صرف اللہ واحد کے لئے بجالاتا ہے، اس میں کسی کو شریک نہیں کرتا۔

توحید کی یہ قسم، توحید کی دوسری قسموں کو بھی اپنے دامن میں سمیٹ لیتی ہے، اس میں توحیدِ ربوبیت بھی آجاتی ہے اور توحید اسماء و صفات بھی، لیکن صرف توحید ربوبیت میں توحید کی دوسری قسمیں نہیں آتیں۔ اس لئے کہ اللہ کو واحد رب ماننے والا، ضروری نہیں کہ وہ الوہیت میں بھی اس کو واحد مانے، وہ اللہ کو رب تو مانتا ہے، لیکن اللہ کی عبادت و اطاعت نہیں کرتا، یا صرف اسی ایک کی عبادت و اطاعت نہیں کرتا۔ اسی طرح توحید اسماء و صفات بھی، توحید کی دوسری انواع کو اپنے اندر شامل نہیں کرتی۔ لیکن توحید الوہیت کو ماننے والا جو یہ اقرار کرتا ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ ہی مستحق عبادت ہے، اس کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں، وہ یہ بھی تسلیم کرتا ہے کہ رب العالمین بھی وہی ہے، علاوہ ازیں اس کے اسماء حسنیٰ اور صفات کاملہ ہیں اس لئے کہ اخلاص فی العبادت اسی کے لئے ہو سکتا ہے جو رب ہو، نہ کہ کسی اور کے لئے بھی۔ اسی طرح وہ ہر عیب اور نقص سے پاک بھی ہو، نہ کہ اس کے لئے بھی جس میں نقص ہو۔ اس کی عبادت کس طرح جائز ہو سکتی ہے جو کسی چیز کا خالق ہو نہ مدبّر، بلکہ مخلوق ہو اور مدبَّر، اسی طرح وہ بھی معبود نہیں ہو سکتا جو سوتا یا بیمار ہوتا اور موت سے ہمکنار ہوتا ہے، کیونکہ یہ سب صفاتِ نقص ہیں، اور اللہ رب العالمین ان تمام نقائص سے پاک ہے۔

مسلمانوں کا کلمۂ توحید و شہادت لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ (اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں) توحید کی تینوں قسموں کو حاوی ہے اسی لئے اس کلمے کو ادا کرنے والا مسلمان قرار پاتا ہے، ورنہ توحید ربوبیت تو مشرک بھی مانتے ہیں، مگر وہ مسلمان نہیں۔ دائرہ اسلام میں وہی داخل سمجھا جائے گا، جو توحید کی تینوں قسموں پر ایمان رکھے گا، کیونکہ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ میں تینوں قسمیں شامل

ہیں۔ اسی توحید الوہیت کے لئے اللہ نے انسانوں اور جنوں کو پیدا فرمایا ہے۔

﴿ وَمَا خَلَقْتُ ٱلْجِنَّ وَٱلْإِنسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ ﴿٥٦﴾ ﴾ (الذاریات۵۱/ ۵۶)

"میں نے جنوں اور انسانوں کو صرف اس لئے پیدا کیا ہے کہ وہ میری ہی عبادت کریں۔"

تمام انبیاء کی بعثت بھی اسی توحید الوہیت ہی کے لئے ہوئی۔

﴿ وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِى كُلِّ أُمَّةٍ رَّسُولًا أَنِ ٱعْبُدُوا۟ ٱللَّهَ وَٱجْتَنِبُوا۟ ٱلطَّٰغُوتَ ﴾ (النحل۱۶/ ۳۶)

"ہم نے ہر امت میں ایک رسول بھیجا (اس نے یہی پیغام دیا) کہ اللہ کی عبادت کرو، اور طاغوت سے بچو۔"

"طاغوت" کیا ہے؟ ہر وہ چیز، جس کی اللہ کو چھوڑ کر عبادت کی جائے، طاغوت ہے۔

دوسرے مقام پر فرمایا:

﴿ وَمَآ أَرْسَلْنَا مِن قَبْلِكَ مِن رَّسُولٍ إِلَّا نُوحِىٓ إِلَيْهِ أَنَّهُۥ لَآ إِلَٰهَ إِلَّآ أَنَا۠ فَٱعْبُدُونِ ﴿٢٥﴾ ﴾ (الأنبیاء۲۱/ ۲۵)

"ہم نے آپ سے پہلے جو رسول بھی بھیجا، اسے یہی وحی کی کہ میرے سوا کوئی معبود نہیں، پس تم صرف میری ہی عبادت کرو۔"

اور یہی کلمہ، اسلام کے پانچ بنیادی ارکان میں سے ایک رکن بلکہ رکن اول ہے۔ اللہ تعالیٰ نے بتلایا کہ حضرت نوح، ھود، صالح اور شعیب علیہم السلام، ان تمام رسولوں نے اپنی اپنی قوم کو یہی دعوت دی:

﴿ ٱعْبُدُوا۟ ٱللَّهَ مَا لَكُم مِّنْ إِلَٰهٍ غَيْرُهُۥٓ ﴾ (الأعراف۷/ ۶۵، ھود۱۱/ ۶۱، المؤمنون۲۳/ ۲۳)

"اللہ کی عبادت کرو، اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں۔"

صرف ایک اللہ کی عبادت کے اقرار سے دوسرے معبودوں کی عبادت کی ازخود نفی ہو جاتی ہے اور ایک اِلٰہ کے عقیدے سے دوسرے تمام معبود باطل قرار پاتے ہیں۔ یہی وجہ

ہے کہ جب نبی ﷺ نے مشرکین مکہ کو " لَا اِلٰهَ اِلاَّ اللّٰه " (اللہ کے سوا کوئی اِلٰہ نہیں) کی دعوت دی' تو انھوں نے کہا:

﴿ أَجَعَلَ ٱلْـَٔالِهَةَ إِلَـٰهًا وَٰحِدًا ۖ إِنَّ هَـٰذَا لَشَىْءٌ عُجَابٌ ۝٥ ﴾ (ص: ۳۸/ ۵)

"کیا اس نے تمام معبودوں کو ایک ہی معبود بنا دیا ہے؟ یہ تو یقیناً نہایت تعجب والی بات ہے۔"

اس لیے کہ وہ جانتے تھے کہ جس نے کلمہ " لَا اِلٰهَ اِلاَّ اللّٰه " کا اقرار کر لیا' تو اس کا مطلب ہر ماسوی اللہ کی عبادت کی نفی اور تمام معبودوں کا بطلان ہے' کیونکہ اِلٰہ کے معنی ہی معبود کے ہیں۔ یعنی وہ ذات جس کی عبادت کی جائے اور عبادت کیا ہے؟ عبادت کا مطلب ہے' صرف اسی ذات کی رضا کے لیے اس کے سامنے عجز و تذلل کا اظہار کرتے ہوئے ہر وہ کام کیا جائے جسے وہ پسند کرتا ہے۔

مشرکین مکہ کو یہی پسند نہیں تھا کہ وہ صرف آسمان والے اللہ کو' جسے وہ رب تو تسلیم کرتے تھے' اپنے تمام کاموں کا مقصود و منتہا بھی صرف اسی کو مان لیں' نماز پڑھیں تو اسی کے لیے پڑھیں' روزے رکھیں تو صرف اسی کے لیے رکھیں' نذر و نیاز دیں تو صرف اسی کے نام کی دیں' استغاثہ و استمداد کریں تو صرف اسی سے کریں اور ان تمام معبودوں کو نظرانداز کر دیں جن کو وہ اللہ کے ساتھ ساتھ مذکورہ کاموں میں شریک رکھتے تھے۔ توحید الوہیت کے اس تقاضے کو وہ سمجھتے تھے جسے آج کا مسلمان نہیں سمجھتا' اس لیے ضروری ہے کہ توحید الوہیت کے تقاضوں اور لوازم کو بھی سمجھا جائے۔

توحید الوہیت کے لوازم: توحید الوہیت کے تسلیم کرنے پر کن کن چیزوں پر اعتقاد و یقین رکھنا ضروری ہے۔ اس کی مختصر تفصیل حسب ذیل ہے۔

① اللہ کے ساتھ خالص محبت رکھی جائے۔ اس کا مطلب ہے' کسی کو اللہ کا شریک بنایا جائے نہ اس کی محبت پر کسی اور کی محبت غالب آئے۔ کیونکہ انسان کی فطرت میں کئی چیزوں کی محبت رکھی گئی ہے۔ اسے ماں باپ سے' بیوی بچوں سے' بہن بھائیوں سے' احباب و اقارب سے' دنیا کے مال و اسباب سے حتیٰ کہ اپنے وطن اور مولد و مسکن سے بھی

محبت ہوتی ہے' یہ تمام محبتیں جائز ہیں' بشرطیکہ اپنی فطری حدود میں رہیں اور دائرہ شریعت سے تجاوز نہ کریں۔ علاوہ ازیں جب محبتوں میں سے کسی محبت کا اللہ کی محبت سے تصادم ہو جائے' تو وہاں اللہ کی محبت کے تقاضوں کو ترجیح دی جائے۔ نہ کہ انسان اللہ کی محبت کو نظر انداز کر کے مذکورہ محبتوں کا اسیر ہو جائے۔ اہل ایمان کی صفت ہے:

﴿ وَالَّذِينَ ءَامَنُوٓا۟ أَشَدُّ حُبًّا لِّلَّهِ ﴾ (البقرة۲/ ۱٦٥)

"ان کو سب سے زیادہ محبت اللہ کے ساتھ ہوتی ہے۔"

اللہ کے ساتھ سب سے زیادہ محبت کا مطلب یہی ہے کہ وہ اللہ کے حکم اور رضاء کو دنیا کی ہر چیز پر ترجیح دیتے ہیں' اس کی محبت پر سب محبتوں کو قربان کر دیتے ہیں۔

② دعا و فریاد اللہ ہی سے کی جائے' اسی پر بھروسہ کیا جائے اور جن چیزوں پر صرف اللہ ہی قادر ہے' ان کی امید صرف اللہ ہی سے رکھی جائے' ان میں کسی اور سے امید وابستہ نہ کی جائے۔

③ خوف بھی صرف اللہ ہی کا ہو۔ اس کا مطلب ہے کہ مخلوقات میں سے کوئی بھی اپنی مشیت اور قدرت سے کسی کو نقصان نہیں پہنچا سکتا۔ ہاں اگر اللہ چاہے تو وہ کسی کو نفع یا نقصان پہنچانے کا سبب بنا سکتا ہے۔ اس لئے ظاہری اسباب کے بغیر کسی سے خوف کھانا یا یہ عقیدہ رکھنا کہ اللہ کی مشیت اور اذن کے بغیر بھی کوئی نفع نقصان پہنچانے پر قادر ہے' مشرکانہ فعل اور عقیدہ ہے۔

جیسے کسی فوت شدہ شخص سے ڈرنا کہ وہ مجھے نفع یا نقصان پہنچا سکتا ہے' یہ خوفِ عبادت ہے جو صرف اللہ کا حق ہے' فطری خوف نہیں جو جائز ہے۔ اسی طرح کسی زندہ شخص کی بابت یہ عقیدہ رکھنا کہ اللہ کی مشیت ہو یا نہ ہو' یہ شخص صرف اپنی مشیت سے مجھے نفع یا نقصان پہنچا سکتا ہے' یہ بھی خوف عبادت ہے' ہاں ظاہری اسباب کی حد تک وہ زندہ شخص نقصان پہنچا سکتا ہے' مگر کب؟ جب اللہ کی مشیت ہو گی۔ اگر اللہ کی مشیت نہ ہو تو ہر طرح کے اسباب و وسائل سے بہرہ ور ہونے کے باوجود وہ نفع یا نقصان نہیں پہنچا سکتا۔ بنا بریں ایک مسلح شخص یا دشمن سے یا کسی درندے اور خوف ناک جانور سے' ظاہری

اسباب کی رو سے خوف محسوس کرنا' فطری خوف ہے جس پر کوئی گرفت نہیں۔ لیکن اس میں یہ عقیدہ رکھنا ضروری ہے کہ یہ نقصان اسی وقت پہنچا سکیں گے جب اللہ کی مشیت ہو گی' محض اپنی مشیت سے یہ کچھ نہیں کر سکیں گے۔ اللہ کی مشیت نہیں ہو گی تو یہ اسباب و وسائل' جو وہ نقصان پہنچانے کے لئے استعمال کریں گے' بے کار ثابت ہوں گے۔

④ عبادات کی جتنی بھی قسمیں ہیں' وہ سب اللہ کے لئے خاص ہیں' بدنی عبادات ہوں' جیسے نماز' روزہ' رکوع' سجود' طواف وغیرہ۔ مالی عبادات ہوں جیسے زکوٰۃ' قربانی' نذر و نیاز وغیرہ' قولی عبادات ہوں جیسے ذکر' استغفار وغیرہ' مالی و بدنی عبادت کا مجموعہ ہو جیسے حج۔ ہر قسم کی عبادت صرف اللہ کا حق ہے' ان میں سے کوئی بھی عبادت' اللہ کے سوا کسی اور کے لئے نہیں کی جا سکتی۔ اگر کی جائے گی تو ایسا کرنا توحید الوہیت کے خلاف اور شرک ہو گا۔

(۳) توحید اسماء و صفات: توحید کی یہ تیسری قسم ہے' اس کا مطلب یہ اعتقاد رکھنا ہے کہ اللہ تمام صفات کمال سے متصف اور تمام صفات نقص سے پاک ہے اور ان دونوں باتوں میں وہ یکتا اور تنہا ہے۔ اس کے سوا کائنات میں کوئی ہستی ایسی نہیں جو ہر قسم کے کمالات سے متصف اور ہر عیب اور نقص سے پاک ہو۔ توحید کی یہ قسم تین بنیادوں پر قائم ہے۔

اول: اللہ ہر نقص سے اور مخلوق کے مشابہ ہونے سے پاک ہے۔

دوم: اللہ کے جو اسماء اور صفات' قرآن و احادیث صحیحہ سے ثابت ہیں ان پر ایمان رکھنا ہے' بغیر اس کے کہ ان میں کوئی کمی کی جائے یا زیادتی یا تحریف کی جائے یا تعطیل (نفی)۔

سوم: اللہ کی صفات کی حقیقت' کنہ اور کیفیت کا ادراک کسی کے لئے ممکن نہیں۔

پہلی بنیاد کا مطلب ہے' اللہ کی مثل کوئی چیز نہیں' اس لئے وہ اس بات سے پاک ہے کہ وہ اپنی کسی صفت میں مخلوق کی صفت کے مشابہ ہو:

﴿ لَيْسَ كَمِثْلِهِۦ شَىْءٌ ﴾ (الشوری ۱۱/۴۲)

"اس کی مثل کوئی چیز نہیں۔"

﴿ وَلَمْ يَكُن لَّهُۥ كُفُوًا أَحَدٌۢ ۝٤ ﴾ (الاخلاص ۴/۱۱۲)

"اس کا کوئی ہمسر نہیں۔"

بعض علماء نے اس کا مطلب ان الفاظ میں بیان کیا ہے:

لَيْسَ كَذَاتِهِ ذَاتٌ وَّلاَ كَاسْمِهِ اسْمٌ وَّلاَ كَفِعْلِهِ فِعْلٌ وَلاَ كَصِفَتِهِ صِفَةٌ، إِلاَّ مِنْ جِهَةِ مُوَافَقَةِ اللَّفْظِ، وَجَلَّتِ الذَّاتُ الْقَدِيْمَةُ أَنْ يَّكُوْنَ لَهَا صِفَةٌ حَدِيْثَةٌ، كَمَا اسْتَحَالَ أَنْ يَّكُوْنَ لِلذَّاتِ الْمُحْدَثَةِ صِفَةٌ قَدِيْمَةٌ (تفسير القرطبي، تحت آيت "لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ" ١٦/٨)

"اس کی ذات جیسی کوئی ذات نہیں، اس کے نام جیسا کوئی نام نہیں، اس کے کام جیسا کوئی کام نہیں، اس کی صفت جیسی کوئی صفت نہیں، سوائے لفظی موافقت کے۔ وہ قدیم ذات اس سے کہیں بلند ہے کہ اس کے لئے کوئی حادث صفت ہو جیسے یہ ناممکن ہے کہ نوپیدا ذات کے لئے کوئی قدیم صفت ہو۔"

اس اعتبار سے اللہ کو ہر اس چیز سے پاک ماننا ضروری ہے جو اس کے اپنے یا رسول اللہ ﷺ کے بیان کردہ وصف کے خلاف ہو۔ بنا بریں توحید صفات کا تقاضا ہے کہ اس کو بیوی سے، اولاد سے، شریک سے، ہمسر اور مددگار سے، اس کی اجازت کے بغیر کسی سفارشی سے، ولی اور دوست سے، عاجزی اور کمزوری سے پاک مانا جائے۔ اسی طرح یہ بھی اس کا تقاضا ہے کہ اسے نیند سے، اُونگھ سے، تعب و تکان سے، موت سے، جہالت سے، ظلم سے، غفلت اور بھول سے اور اس قسم کے دیگر نقائص سے پاک تسلیم کیا جائے۔

دوسری بنیاد کا تقاضا ہے کہ اللہ کے اسماء وصفات کو اس طرح مانا جائے جیسے وہ قرآن کریم یا احادیث میں وارد ہوئے ہیں، ان کا تمام تر مدار، سماع و نقل پر ہے، رائے اور قیاس وعقل پر نہیں۔ پس اللہ عز وجل کا وہی وصف بیان کیا جائے جو خود اس نے یا رسول اللہ ﷺ نے بیان فرمایا ہے اور اسی نام سے اسے موسوم کیا جائے جو خود اس نے یا رسول اللہ ﷺ نے اس نام سے اسے پکارا ہے۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ ہی اپنی ذات کو اور اپنی صفات اور اسماء کو خوب جانتا ہے اور اللہ کے رسول کی بات بھی اس کی بابت اس لئے صحیح ہے کہ وہ بھی صادق اور مصدوق اور وہ وہی بات بتلاتے ہیں جس کی خبر ان کو وحی کے ذریعے سے

دی جاتی ہے، اس لئے اللہ اور اس کے رسول کے بیان کردہ اسماء و صفات سے تجاوز کرنا جائز نہیں ہے۔ نعیم بن حماد کا قول ہے:

مَنْ شَبَّهَ اللهَ بِخَلْقِهِ كَفَرَ وَمَنْ جَحَدَ مَا وَصَفَ اللهُ بِهِ نَفْسَهُ أَوْ وَصَفَهُ بِهِ رَسُوْلُهُ كَفَرَ، وَلَيْسَ فِيْمَا وَصَفَ اللهُ بِهِ نَفْسَهُ، أَوْ وَصَفَهُ بِهِ رَسُوْلُهُ تَشْبِيْهٌ وَّلاَ تَمْثِيْلٌ (الروضة الندية، ص: ٢٢، بحواله كتاب "الإيمان" الدكتور محمد نعيم ياسين، دارالفرقان، عمان، الأردن ص: ٣٠)

"جس نے اللہ کو مخلوق کے ساتھ تشبیہ دی اس نے کفر کیا۔ جس نے اس کے اس وصف کا انکار کیا جو خود اس نے یا اس کے رسول نے بیان کیا اس نے بھی کفر کیا اور اللہ کے وہ اوصاف جو خود اس نے اپنے لئے یا اس کے رسول نے اس کے لئے بیان کئے ہیں ان میں تشبیہ اور تمثیل نہیں ہے۔"

یعنی اللہ کو کسی کے ساتھ تشبیہ دینا یا اس کو کسی کے مثل بتلانا کفر ہے، لیکن اللہ کی ثابت شدہ صفات کو جس طرح وہ وارد ہوئی ہیں، بیان کرنا، تشبیہ و تمثیل کے ذیل میں نہیں آتا۔ اس سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ اسماء وصفات باری تعالیٰ کو اسی طرح مانا جائے جس طرح وہ کتاب وسنت میں بیان ہوئی ہیں اور ان کو ان ہی ظاہری معنوں پر محمول کیا جائے جو لغت عرب سے واضح اور ظاہر ہوں۔ ان ظاہری معنوں کا انکار کر کے اللہ کی صفات کا انکار کیا جائے نہ ان کو ان کے ظاہری معنوں سے پھیرا جائے۔ یعنی تعطیل کی جائے نہ تحریف و تاویل بلکہ ان کے ظاہری مفہوم پر بلا کیف و تشبیہ ایمان رکھا جائے۔

تیسری بنیاد کا تقاضا یہ ہے کہ قرآن وحدیث میں بیان کردہ اسماء وصفات پر ایمان رکھا جائے، ان کی کیفیت پوچھی جائے نہ ان کی کنہ وحقیقت کی بحث وکرید میں پڑا جائے۔ اس لئے کہ صفات، اپنے موصوف کے اعتبار سے مختلف ہوتی ہیں، علاوہ ازیں صفت کی کیفیت اس وقت تک واضح نہیں ہوتی جب تک کیفیت ذاتِ کی شناخت نہ ہو اور جب اللہ کی ذات کی کنہ اور حقیقت وکیفیت کا کسی کو علم ہے نہ اس کی بابت سوال کرنا ہی جائز ہے تو اس کی صفات کی کیفیت کے بارے میں سوال کرنا بھی ناجائز ہے، کیونکہ اس کی کیفیات

صفات کا کوئی علم کسی کے پاس نہیں ہے۔ اسی لئے کسی سلف کا یہ قول مشہور ہے' جب ان سے استواء علی العرش کی کیفیت پوچھی گئی تو انہوں نے جواب دیا:

اَلاِسْتِوَاءُ مَعْلُوْمٌ، وَّالْكَيْفُ مَجْهُوْلٌ، وَّالاِيْمَانُ بِهِ وَاجِبٌ وَّالسُّؤَالُ عَنْهُ بِدْعَةٌ (الروضة الندية، ص: ٢٩، بحواله "الإيمان" ص: ٣١)

"استواء معلوم ہے (یعنی قرآن میں اللہ کے استواء علی العرش کا ذکر ہے) لیکن اس کی کیفیت نامعلوم ہے' تاہم اس پر ایمان رکھنا واجب ہے اور اس کی بابت سوال کرنا بدعت ہے۔"

اسی طرح اللہ کی دیگر صفات کا معاملہ ہے' وہ آسمان دنیا پر نزول فرماتا ہے جو صحیح حدیث سے ثابت ہے لیکن کس طرح؟ یہ کیفیت ہم بیان نہیں کر سکتے' وہ سنتا ہے' دیکھتا ہے' کلام فرماتا ہے' لیکن کیسے؟ ہمیں ان کی کیفیات کا علم نہیں۔ جب ہم کیفیت ذات ہی سے ناواقف اور بے خبر ہیں' تو صفات تو موصوف کی فرع اور اس کے تابع ہوتی ہیں' پھر ہم ان صفات کی کیفیات کو کس طرح جان سکتے ہیں؟ اس لئے جب یہ بات متحقق ہے کہ نفس الامر میں اللہ عزوجل کا وجود ہے اور وہ تمام صفات کمال کو مستوجب ہے اور مخلوق میں سے کوئی اس کی مثل اور مشابہ نہیں تو اس کا سمع وبصر' کلام ونزول اور استواء وغیرہ صفات بھی ثابت ہیں اور وہ جن صفات کمال سے متصف ہے ان میں وہ مخلوقات کے سمع وبصر' کلام ونزول اور استواء سے مشابہت نہیں رکھتا۔

توحید اسماء وصفات کے تقاضے : ① مذکورہ تفصیل سے واضح ہے کہ اللہ کی صفات کو مخلوق کی صفات کے ساتھ تشبیہہ نہیں دی جا سکتی' جیسے عیسائیوں نے حضرت مسیح علیہ السلام کو' یہودیوں نے حضرت عزیر علیہ السلام کو اور مشرکین نے اپنے بتوں کو اللہ کے مشابہ قرار دیا یا جیسے بعض لوگوں نے اللہ کے چہرے کو مخلوق کے چہرے کے ساتھ' اللہ کے ہاتھ کو مخلوق کے ہاتھ کے ساتھ' اللہ کے سننے کو مخلوق کے سننے کے ساتھ تشبیہہ دی۔

② تاویل کے ذریعے سے اللہ کے اسماء وصفات میں تحریف اور تغییر وتبدیلی جائز نہیں۔ اس لئے قرآن وحدیث میں وارد صفات الٰہی (وجہ' ید' استواء' نزول' غضب ورضا

وغیرہ) کے معانی میں ایسی تاویل کرنا جن سے یہ صفات بے معنی' معطل اور باطل ہو جائیں یا ان میں سے کسی کا انکار لازم آئے' منہاج سلف کے خلاف ہے۔

③ اللہ کی کسی صفت کی کیفیت بیان نہیں کی جا سکتی نہ ان کی کنہ اور حقیقت کا ادراک کیا جا سکتا ہے۔ اس بارے میں امام شافعی رحمہ اللہ کا قول بڑا جامع ہے' ہر مسلمان کے لئے لازم ہے کہ وہ یہی کہے:

«آمَنْتُ بِاللّٰهِ وَبِمَا جَاءَ عَنِ اللّٰهِ عَلٰى مُرَادِ اللّٰهِ وَآمَنْتُ بِرَسُوْلِ اللّٰهِ، وَبِمَا جَاءَ عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ عَلٰى مُرَادِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ» ("الإيمان" محمد نعيم ياسين، ص: ٣٢)

"میں ایمان لایا اللہ پر' اس پر جو اللہ کی طرف سے آیا' اللہ کی مراد کے مطابق اور ایمان لایا میں اللہ کے رسول پر اور اس پر جو اللہ کے رسول کی طرف سے آیا' رسول اللہ ﷺ کی مراد کے مطابق۔"

اس بات کو ایک فارسی شاعر نے اس طرح بیان کیا ہے ؎

اے برتر از خیال وقیاس وگمان ووہم
وز ہرچہ گفتہ اند' شنیدیم وخواندہ ایم
منزل تمام گشت وبہ پایاں رسید عمر
ماہم چناں در اول وصف تو ماندہ ایم

ایک اور شاعر نے کہا ؎

اے بروں از وہم و قال و قیل من
خاک برفرق من وتمثیل من

<u>توحید' بندوں پر اللہ کا سب سے بڑا حق ہے:</u> مذکورہ طریقے سے اللہ کو ماننا اور اس کی عبادت کرنا' یہ اللہ کا وہ حق ہے جو بندوں پر فرض ہے۔ جیسے ایک حدیث میں نبی کریم ﷺ نے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

«هَلْ تَدْرِيْ حَقَّ اللهِ عَلٰى عِبَادِهِ؟ وَمَا حَقُّ الْعِبَادِ عَلَى اللهِ؟»

"کیا تو جانتا ہے اللہ کا بندوں پر اور بندوں کا اللہ پر کیا حق ہے؟"

حضرت معاذ فرماتے ہیں۔ میں نے کہا: اَللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗ اَعْلَمُ اللہ اور اس کا رسول بہتر جانتے ہے۔" آپ نے فرمایا:

«فَإِنَّ حَقَّ اللهِ عَلَى العِبَادِ أَنْ يَّعْبُدُوْهُ وَلاَ يُشْرِكُوْا بِهِ شَيْئًا، وَحَقُّ الْعِبَادِ عَلَى اللهِ أَنْ لاَّ يُعَذِّبَ مَنْ لاَّ يُشْرِكُ بِهِ شَيْئًا»(صحيح البخاري، الجهاد والسير، باب اسم الفرس والحمار، ح:٢٨٥٦ وصحيح مسلم، الإيمان، باب الدليل على أن من مات على التوحيد ...، ح:٣٠)

"بندوں پر اللہ کا حق یہ ہے کہ وہ صرف اس کی عبادت کریں اور اس کے ساتھ کسی بھی چیز کو شریک نہ ٹھہرائیں اور اللہ کے ذمے بندوں کا حق یہ ہے کہ وہ ان کو عذاب نہ دے جو اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں۔"

یہ بندوں پر اللہ کا وہ حق ہے جو سب سے پہلے ہے، اس حق پر کوئی حق مقدم نہیں۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ ۞ وَقَضَىٰ رَبُّكَ أَلَّا تَعْبُدُوٓا۟ إِلَّآ إِيَّاهُ وَبِٱلْوَٰلِدَيْنِ إِحْسَٰنًا ﴾ (الإسراء١٧/ ٢٣)

"آپ کے رب نے فیصلہ کر دیا ہے کہ عبادت صرف اس ایک اللہ کی کرنی ہے اور والدین کے ساتھ حسن سلوک کرنا ہے۔"

دوسرے مقام پر فرمایا:

﴿ ۞ قُلْ تَعَالَوْا۟ أَتْلُ مَا حَرَّمَ رَبُّكُمْ عَلَيْكُمْ ۖ أَلَّا تُشْرِكُوا۟ بِهِۦ شَيْـًٔا ۖ وَبِٱلْوَٰلِدَيْنِ إِحْسَٰنًا ۖ ﴾ (الأنعام٦/ ١٥١)

"آؤ! میں تمہیں وہ پڑھ کر سناؤں جو تمہارے رب نے تم پر حرام کیا ہے، (ایک حکم اس نے یہ دیا ہے) کہ تم اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ اور والدین کے ساتھ حسن سلوک کرو۔"

تمام حقوق پر اس حق الٰہی کی اوّلیت و اَولویت اور اس کے اساس دین ہونے کی وجہ ہی

سے نبی ﷺ مکے کی تیرہ سالہ زندگی میں لوگوں کو صرف اسی توحید کی دعوت دیتے اور شرک سے لوگوں کو روکتے رہے۔ گویا تیرہ سال تک منصب نبوت کی ادائیگی کا محور، عقیدۂ توحید کا اثبات اور معبودان باطل کا انکار رہا۔

علاوہ ازیں قرآن کریم میں بھی اس موضوع کو بہت زیادہ اہمیت دی گئی ہے اور اس میں مختلف انداز سے اسے واضح کیا اور نکھارا گیا ہے۔ اسی طرح ہر نماز میں، چاہے وہ فرض ہو یا نفل، نمازی اللہ کی بارگاہ میں کھڑے ہو کر یہ اقرار و اعتراف کرتا ہے۔

﴿ إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ ۝ ﴾ (الفاتحة ١/ ٥)

"ہم تیری ہی عبادت کرتے اور تجھ ہی سے مدد مانگتے ہیں۔"

یہ اقرار و اعتراف، توحید الوہیت یا توحید عبادت ہی کا اقرار ہے اور یہی توحید ہر انسان کی فطرت میں ودیعت رکھی گئی ہے یعنی ہر انسان کی فطرت میں داخل ہے۔ اسی بات کو نبی ﷺ نے اس طرح بیان فرمایا ہے:

«مَا مِنْ مَوْلُوْدٍ إِلاَّ يُوْلَدُ عَلَى الْفِطْرَةِ فَأَبَوَاهُ يُهَوِّدَانِهِ وَيُنَصِّرَانِهِ وَيُمَجِّسَانِهِ كَمَا تُنْتَجُ الْبَهِيْمَةُ بَهِيْمَةً جَمْعَاءَ هَلْ تُحِسُّوْنَ فِيْهَا مِنْ جَدْعَاءَ (صحيح مسلم، القدر، باب معنى كل مولود . . .، ح:٢٦٥٨)

"ہر بچہ فطرت پر پیدا ہوتا ہے، پھر اس کے ماں باپ اسے یہودی، نصرانی اور مجوسی (وغیرہ) بنالیتے ہیں۔ جیسے چوپائے کے بچے کو اس کی ماں صحیح سالم جنتی ہے۔ کیا تم اس میں اس کا کوئی عضو کٹا ہوا دیکھتے ہو؟"

(اس حدیث کے راوی) پھر ابو ہریرہ فرماتے، کہ اگر تم چاہو تو یہ آیت پڑھ لو۔

﴿ فِطْرَتَ ٱللَّهِ ٱلَّتِي فَطَرَ ٱلنَّاسَ عَلَيْهَا لَا تَبْدِيلَ لِخَلْقِ ٱللَّهِ ﴾ (الروم ٣٠/ ٣٠)

"یہ اللہ کی فطرت ہے جس پر اس نے لوگوں کو پیدا کیا ہے، اللہ کی پیدائش میں کوئی تبدیلی نہیں ہو سکتی۔"

اس حدیث کی بنیاد پر ہی علماء کہتے ہیں کہ جہاں میں اصل چیز توحید ہے (کیونکہ یہ فطرت کی آواز ہے) اور شرک باہر سے مسلط چیز ہے جو شیطان کی مذموم کوشش کے نتیجے میں

انسان پر طاری ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے فرمان سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔

﴿ كَانَ ٱلنَّاسُ أُمَّةً وَٰحِدَةً فَبَعَثَ ٱللَّهُ ٱلنَّبِيِّـۧنَ مُبَشِّرِينَ وَمُنذِرِينَ وَأَنزَلَ مَعَهُمُ ٱلْكِتَٰبَ بِٱلْحَقِّ لِيَحْكُمَ بَيْنَ ٱلنَّاسِ فِيمَا ٱخْتَلَفُوا۟ فِيهِ ﴾ (البقرۃ ۲/ ۲۱۳)

"لوگ ایک ہی گروہ تھے (پھر وہ مختلف ہو گئے) تو اللہ نے نبیوں کو خوش خبریاں سنانے اور (اللہ کے عذاب سے) ڈرانے والا بنا کر بھیجا اور ان کے ساتھ کتاب نازل کی ساتھ حق کے، تاکہ وہ لوگوں کے درمیان ان باتوں میں فیصلہ کریں جن میں وہ ایک دوسرے سے اختلاف کرتے ہیں۔"

دوسرے مقام پر فرمایا:

﴿ وَمَا كَانَ ٱلنَّاسُ إِلَّآ أُمَّةً وَٰحِدَةً فَٱخْتَلَفُوا۟ ﴾ (یونس ۱۰/ ۱۹)

"لوگ ایک ہی گروہ تھے، پھر وہ مختلف ہو گئے۔"

لوگ کس چیز میں متحد تھے؟ اسی عقیدۂ توحید میں۔ بقول حضرت ابن عباس، حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت نوح علیہ السلام تک، جو دس قرنوں پر محیط ہے، اسی دین اسلام پر لوگ قائم رہے۔ (تفسیر ابن کثیر) سب سے پہلے حضرت نوح علیہ السلام کی قوم میں شرک پیدا ہوا، جس کا سبب نیک لوگوں کی محبت میں غلو اور اپنے پیغمبر کی دعوت سے اعراض تھا۔ جب حضرت نوح علیہ السلام نے ان کو سمجھانے کی کوشش کی تو انہوں نے آپس میں ایک دوسرے سے کہا۔

﴿ لَا تَذَرُنَّ ءَالِهَتَكُمْ وَلَا تَذَرُنَّ وَدًّا وَلَا سُوَاعًا وَلَا يَغُوثَ وَيَعُوقَ وَنَسْرًا ﴿٢٣﴾ ﴾

(نوح ۷۱/ ۲۳)

"تم اپنے معبودوں کو مت چھوڑنا اور نہ وَدّ، سواع، یغوث، یعوق اور نسر کو چھوڑنا۔"

حضرت ابن عباس ہی سے صحیح بخاری میں منقول ہے کہ مذکورہ پانچوں بت، قوم نوح کے پانچ نیک لوگوں کے نام تھے۔ جب یہ صالحین فوت ہو گئے تو شیطان نے ان کے دلوں میں یہ بات ڈالی کہ وہ ان کے مجسمے بنا کر اپنی ان مجلسوں میں رکھ لیں جن میں وہ بیٹھا کرتے تھے، اور ان مجسموں کو ان صالحین کے ناموں ہی سے موسوم کریں۔ چنانچہ انہوں نے ایسا

ہی کیا لیکن (یہ کام انہوں نے محض ان کی یاد کو تازہ رکھنے کے لیے کیا تھا) انہوں نے ان کی عبادت نہیں کی۔ البتہ جب ایک نسل ختم ہو گئی' تو پھر بعد میں آنے والوں نے ان مجسّموں کی عبادت شروع کر دی۔

اسی روایت میں یہ بھی ہے کہ قوم نوح کے یہ پانچوں بت عرب میں بھی پوجے جاتے رہے۔ چنانچہ وَدّ ' دومۃ الجندل میں قبیلۂ کلب کا۔ سواع' قبیلۂ ہذیل کا۔ یغوث' قبیلۂ مراد' پھر سبا کے نزدیک جرف میں بنو غطیف کا۔ یعوق قبیلۂ ہمدان کا اور نسر' آل ذوالکلاع کی شاخ' حمیر کا معبود رہا۔ (صحیح بخاری' کتاب التفسیر' تفسیر سورۃ نوح' ح : ۴۹۲۰)

حضرت ابن عباس کے اس اثر سے یہ واضح ہوا کہ قوم نوح میں شرک کا آغاز صالح لوگوں کی محبت میں غلو کرنے سے ہوا۔ اس غلو محبت نے پہلے ان سے ان کی تصویریں اور ان کے مجسّمے تیار کروائے' پھر ان کو اپنی بیٹھکوں اور دیواروں پر نصب کروایا۔ یہی مجسّمے پھر قابل تعظیم اور قابل عبادت قرار پا گئے۔

یہی وجہ ہے کہ اسلام نے تصویروں اور مجسّموں کو حرام اور ناجائز قرار دیا ہے' کیونکہ یہ مجسّمے ہی ہر دور میں شرک کا ذریعہ رہے ہیں۔ آج بھی اس حقیقت کا مشاہدہ کیا جا سکتا ہے' جاہل عوام آج بھی پیروں' فقیروں اور حقیقی و مصنوعی بزرگوں حتی کہ ننگ دھڑنگ ملنگوں کی تصویروں کو گھروں اور دکانوں میں سجا کر رکھنے کو برکت کا باعث سمجھتے ہیں اور ان کی اس طرح تعظیم کرتے ہیں جیسے مشرکین اپنے معبودوں کی تعظیم بجالاتے ہیں۔ یہ تعظیم بے جا اور غلو محبت ہی عوام کو بتدریج شرک کی طرف لے جاتا ہے اور پھر وہ ان فوت شدگان ہی کو حاجت روا' مشکل کشا اور نافع وضار سمجھنے لگ جاتے ہیں۔ فنعوذ باللہ من ھذا الغلو و فساد العقیدۃ۔

باب : سوم

شرک کیا ہے اور مشرک کون ہے؟

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ إِنَّ ٱللَّهَ لَا يَغْفِرُ أَن يُشْرَكَ بِهِۦ وَيَغْفِرُ مَا دُونَ ذَٰلِكَ لِمَن يَشَآءُ ۚ وَمَن يُشْرِكْ بِٱللَّهِ فَقَدِ ٱفْتَرَىٰٓ إِثْمًا عَظِيمًا ﴿٤٨﴾ ﴾ (النساء٤/ ٤٨)

”بے شک اللہ تعالیٰ شرک کو معاف نہیں فرمائے گا' اس کے علاوہ جو گناہ ہوں گے' تو وہ جس کے لئے چاہے گا' معاف فرمادے گا اور جو اللہ کے ساتھ شرک کا ارتکاب کرتا ہے تو یقیناً اس نے ایک بہت بڑا گناہ (بہتان) باندھا۔“

ایک دوسرے مقام پر اللہ نے فرمایا:

﴿ إِنَّهُۥ مَن يُشْرِكْ بِٱللَّهِ فَقَدْ حَرَّمَ ٱللَّهُ عَلَيْهِ ٱلْجَنَّةَ وَمَأْوَىٰهُ ٱلنَّارُ ۖ وَمَا لِلظَّٰلِمِينَ مِنْ أَنصَارٍ ﴿٧٢﴾ ﴾ (المائدة٥/ ٧٢)

”بلا شبہ جو اللہ کے ساتھ شرک کرتا ہے' تو یقیناً اللہ نے اس پر جنت حرام کر دی ہے' اور اس کا ٹھکانا جہنم ہے اور ظالموں (مشرکوں) کے لئے کوئی مددگار نہیں ہو گا۔“

اس قسم کی متعدد آیات ہیں جن میں اللہ تعالیٰ نے شرک کی مذمت کی ہے' اسے ظلم عظیم قرار دیا ہے اور اسکی وجہ سے تمام اعمال کے باطل ہونے کی خبر دی ہے۔ شرک کی اتنی مذمت کیوں کی گئی ہے؟ اسلئے کہ یہ ناقابل معافی جرم ہے' اگر ایک مشرک نے دنیا ہی میں شرک سے توبہ نہ کی اور توحید کا راستہ نہ اپنایا اور شرک کرتے کرتے ہی فوت ہو گیا' تو اس کیلئے معافی کی کوئی صورت نہیں' اس کیلئے جہنم کی دائمی سزا ہے۔ جیسے کافر' اللہ کو نہ ماننے والا ہمیشہ جہنم میں رہے گا' ایسے ہی اللہ کو ماننے کے باوجود شرک کرنے والا ہمیشہ جہنم میں رہے گا' ان دونوں کو جہنم کے عذاب سے کبھی نجات نہیں ملے گی۔ یہی وجہ ہے کہ ہر

نبی نے آکر اپنی قوم کو سب سے پہلے توحید ہی کا درس دیا اور اسے شرک سے روکا' جیسا کہ قرآن میں صراحت ہے۔

شرک کیا ہے؟: جب شرک کی سزا دائمی جہنم ہے اور تمام انبیاء نے ردّ شرک ہی کو سب سے زیادہ اہمیت دی۔ تو ضروری ہے کہ ہم معلوم کریں کہ شرک کیا ہے؟

دو خالقوں اور دو معبودوں کا عقیدہ

شرک کی پہلی قسم: شرک کا ایک مطلب تو ہے' ذات کے اعتبار سے مختلف الٰہ (معبود اور کائنات میں تصرف کرنے کا اختیار رکھنے والے) تسلیم کرنا۔

یعنی یہ عقیدہ رکھا جائے کہ کائنات کا خالق و مالک اور اس کا مدبر و منتظم ایک معبود نہیں ہے' بلکہ کئی معبود ہیں۔ جیسے مجوسیوں (آتش پرستوں) کا عقیدہ تھا اور ہے کہ کائنات میں خالق دو ہیں' ایک شر کا خالق' دوسرا خیر کا۔ ایک ظلمت کا خالق' دوسرا نور کا۔

اللہ تعالیٰ نے اس عقیدے کی نفی فرمائی اور فرمایا کہ ایسا نہیں ہے۔ بلکہ ہر چیز کا خالق صرف ایک ہی ہے اور مدبر و منتظم بھی صرف وہی ایک۔ کیونکہ اگر کائنات میں دو الٰہ (معبود) ہوتے اور اس میں دونوں کا تصرف اور ارادہ کار فرما ہوتا' تو یہ نظام عالم اس طرح کبھی درست نہ رہتا جیسے وہ ہزاروں سال سے ہے۔ چاند سورج کا طلوع و غروب' رات اور دن کا آنا جانا' موسموں کا تغیر و تبدل' کبھی بہار' کبھی خزاں' سردی گرمی' سردیوں میں دنوں کا چھوٹا اور راتوں کا لمبا ہو جانا اور گرمیوں میں اس کے برعکس دنوں کا لمبا اور راتوں کا چھوٹا ہو جانا۔ یہ نظام عالم ہزاروں سال سے یوں ہی قائم چلا آ رہا ہے' اس میں کبھی تبدیلی آئی ہے نہ اس میں کوئی گڑ بڑ ہوئی ہے اور نہ اس کے درمیان کبھی کوئی تصادم ہی ہوا ہے۔ یہ یکسانیت' استحکام اور ہر چیز کی اُستواری' اس بات کی دلیل ہے کہ اس کائنات کا پیدا کرنے والا بھی ایک ہے اور اس میں نظم و تصرف بھی اسی کا کار فرما ہے۔ نہ اس کی تخلیق میں کسی اور کی شرکت ہے نہ اس کی تدبیر و انتظام میں کسی اور کا حکم چلتا ہے۔ کیونکہ خالق اگر ایک کی بجائے دو یا اس سے زیادہ ہوتے تو یہ استحکام و اُستواری کبھی نہ ہوتی۔ قرآن نے اس کو

یوں بیان فرمایا:

﴿ لَوْ كَانَ فِيهِمَآ ءَالِهَةٌ إِلَّا ٱللَّهُ لَفَسَدَتَا ﴾ (الأنبياء۲۱/ ۲۲)

"اگر آسمان و زمین میں اللہ کے سوا کوئی اور بھی معبود ہوتے' تو آسمان و زمین کا یہ نظام خراب ہو جاتا۔"

یعنی اگر واقعی آسمان و زمین میں دو یا اس سے زیادہ معبود ہوتے' تو کائنات میں تصرف کرنے والی کئی ہستیاں ہوتیں' مختلف معبودوں کا ارادہ و شعور کار فرما ہوتا اور جب ایسا ہوتا یعنی کئی ہستیوں کا ارادہ اور فیصلہ کائنات میں چلتا' تو یہ نظم کائنات اس طرح قائم رہ ہی نہیں سکتا تھا جو ابتدائے آفرینش سے بغیر کسی ادنیٰ توقف کے قائم چلا آ رہا ہے۔ کیونکہ ان کا ارادہ ایک دوسرے سے ٹکراتا' ان کی مرضی کا آپس میں تصادم ہوتا' ان کے اختیارات ایک دوسرے کی مخالف سمت میں استعمال ہوتے' جس کا نتیجہ ابتری اور فساد کی صورت میں رونما ہوتا اور اب تک ایسا نہیں ہوا تو اس کے صاف معنی یہ ہیں کہ کائنات میں صرف ایک ہی ہستی ہے جس کا ارادہ و مشیت کارفرما ہے' جو کچھ بھی ہوتا ہے' صرف اور صرف اسی کے حکم پر ہوتا ہے' اس کے دیئے ہوئے کو کوئی روک نہیں سکتا اور جس سے وہ اپنی رحمت روک لے' اس کو کوئی دینے والا نہیں۔ ایک دوسرے مقام پر اللہ نے فرمایا:

﴿ مَا ٱتَّخَذَ ٱللَّهُ مِن وَلَدٍ وَمَا كَانَ مَعَهُۥ مِنْ إِلَٰهٍ ۚ إِذًا لَّذَهَبَ كُلُّ إِلَٰهٍۭ بِمَا خَلَقَ وَلَعَلَا بَعْضُهُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ ﴾ (المؤمنون۲۳/ ۹۱)

"اللہ کی کوئی اولاد نہیں ہے اور نہ اس کے ساتھ کوئی دوسرا معبود ہی ہے' اگر ایسا ہوتا تو ہر معبود اپنی پیدا کردہ چیز کو خود لے جاتا (اور اس میں اپنی مرضی سے تصرف کرتا) اور ان میں ایک' دوسرے پر چڑھ دوڑتا۔"

مطلب ان دونوں آیتوں کا یہ ہے کہ جب نظم عالم میں آج تک کوئی اختلال و فساد رونما نہیں ہوا تو مان لینا چاہیئے کہ کائنات میں خالق و مالک اور مدبر و منتظم ایک ہی اللہ ہے' اس کا انکار بداہت اور روزِ روشن جیسی حقیقت کا انکار ہے۔

شرک کی دوسری اور عام قسم: شرک کی دوسری قسم' جو عام ہے' اللہ کی ذات میں تو

نہیں' اس کی صفات میں دوسروں کو شریک کرنا ہے' جیسے عالم الغیب ہونا۔ دُور اور نزدیک سے ہر ایک کی فریاد سن لینا' ماورائے اسباب طریقے سے نفع نقصان پہنچانے پر قادر ہونا' وغیرہ۔ یہ سب اللہ کی خاص صفات ہیں' اللہ کے سوا کوئی بھی ان صفات کا حامل نہیں ہے' نہ کوئی نبی' نہ کوئی ولی' نہ کوئی اور ہی۔ اگر کوئی اللہ کے سوا کسی کو عالم الغیب سمجھتا ہے' ہر ایک کی فریاد سننے پر اور مافوق الاسباب طریقے سے نفع نقصان پہنچانے پر قادر سمجھتا ہے' تو گویا اس نے اللہ کی صفات دوسروں میں مان کر انکو اللہ کا شریک قرار دے لیا۔

اسی طرح عبادت کا حق صرف ایک اللہ کا ہے' عبادت کی تمام قسمیں اسی کے لئے ہیں' نماز پڑھنا' روزہ رکھنا' اس کے سامنے دست بستہ تعظیماً کھڑے ہونا' نذر و نیاز دینا' اس سے دعائیں کرنا' مافوق الاسباب طریقے سے اس کی گرفت سے ڈرنا اور اس سے امیدیں وابستہ کرنا وغیرہ۔ یہ سب عبادت کی قسمیں ہیں جو صرف اللہ کے لئے خاص ہیں۔ اس لئے نماز بھی صرف اللہ کے لئے پڑھی جاسکتی ہے' نیاز بھی اسی کے نام کی دی جاسکتی ہے' تعظیم کے طور پر دست بستہ قیام بھی اسی کا حق ہے' دعائیں مانگنا اور استمداد و استغاثہ کرنا بھی اسی سے جائز ہے۔

ان میں سے کوئی کام بھی کسی اور کیلئے کیا جائے گا' تو وہ شرک ہو جائے گا اور یہ شرک توحید الوہیت میں ہو گا۔ شرک کی یہ دوسری قسم بہت عام رہی ہے۔ مشرکین عرب کا شرک بھی یہی تھا۔ ہندو' جو مورتیوں کے پجاری ہیں' انکا شرک بھی یہی ہے اور آج کل کے نام نہاد مسلمانوں کے اندر بھی اس شرک کے مظاہر عام ہیں۔ اس شرک کے مرتکب توحید ربوبیت کے قائل رہے ہیں اور ہیں۔ توحید ربوبیت کا مطلب ہے کہ اس کائنات کا خالق و مالک اور سب کا پالنہار صرف ایک اللہ ہے۔ چنانچہ قرآن میں صراحت ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

﴿ قُل لِّمَنِ ٱلْأَرْضُ وَمَن فِيهَآ إِن كُنتُمْ تَعْلَمُونَ ﴿٨٤﴾ سَيَقُولُونَ لِلَّهِ ۚ قُلْ أَفَلَا تَذَكَّرُونَ ﴿٨٥﴾ قُلْ مَن رَّبُّ ٱلسَّمَٰوَٰتِ ٱلسَّبْعِ وَرَبُّ ٱلْعَرْشِ ٱلْعَظِيمِ ﴿٨٦﴾ سَيَقُولُونَ لِلَّهِ ۚ قُلْ أَفَلَا تَتَّقُونَ ﴿٨٧﴾ قُلْ مَنۢ بِيَدِهِۦ مَلَكُوتُ كُلِّ شَىْءٍ وَهُوَ يُجِيرُ وَلَا يُجَارُ عَلَيْهِ إِن كُنتُمْ تَعْلَمُونَ ﴿٨٨﴾

﴿ سَيَقُولُونَ لِلَّهِ ﴾ (المؤمنون۲۳/ ۸۴ـ۸۹)

"ان سے پوچھئے! زمین اور جو کچھ اس میں ہے' کس کا ہے؟ اگر تم علم رکھتے ہو؟ تو وہ جواب دیں گے۔ (یہ سب) اللہ کا ہے..... ان سے پوچھئے' ساتوں آسمانوں کا رب اور عرش عظیم کا رب کون ہے؟ تو وہ یقیناً کہیں گے' اللہ ہی ہے..... ان سے پوچھئے! کون ہے جس کے ہاتھ میں ہر چیز کا اختیار ہے؟ اور وہی سب کو پناہ دیتا ہے' اس کے مقابلے میں کسی کو پناہ نہیں دی جا سکتی' تو وہ یہی کہیں گے کہ یہ سب کام اللہ ہی کے ہیں....."

﴿ قُلْ مَن يَرْزُقُكُم مِّنَ ٱلسَّمَآءِ وَٱلْأَرْضِ أَمَّن يَمْلِكُ ٱلسَّمْعَ وَٱلْأَبْصَٰرَ وَمَن يُخْرِجُ ٱلْحَىَّ مِنَ ٱلْمَيِّتِ وَيُخْرِجُ ٱلْمَيِّتَ مِنَ ٱلْحَىِّ وَمَن يُدَبِّرُ ٱلْأَمْرَ ۚ فَسَيَقُولُونَ ٱللَّهُ ﴾ (یونس۱۰/ ۳۱)

"پوچھئے! کون ہے جو تمہیں آسمان و زمین سے روزی پہنچا رہا ہے؟ یا کون ہے جو مالک ہے (تمہارے) کانوں اور آنکھوں کا؟ اور کون ہے جو نکالتا ہے زندہ کو مُردہ سے اور نکالتا ہے مُردہ کو زندہ سے؟ اور کون ہے جو تدبیر کرتا ہے سارے کاموں کی؟ تو وہ (ان سب کے جواب میں) کہیں گے' اللہ۔"

﴿ وَلَئِن سَأَلْتَهُم مَّنْ خَلَقَ ٱلسَّمَٰوَٰتِ وَٱلْأَرْضَ لَيَقُولُنَّ ٱللَّهُ ۚ ﴾
(الزمر۳۹/ ۳۸)

"اگر آپ ان سے پوچھیں کہ کس نے پیدا کئے آسمان اور زمین؟ تو ضرور کہیں گے' اللہ نے۔"

قرآن کریم کی ان تصریحات سے واضح ہے کہ مشرکین عرب مانتے تھے کہ آسمان و زمین کا خالق اللہ ہے' روزی رساں اللہ ہے' کائنات کی تدبیر کرنے والا اللہ ہے' زندگی دینے اور موت سے ہمکنار کرنے والا اللہ ہے اور ہر چیز کا اختیار اسی کے پاس ہے۔ جب وہ یہ سب کچھ مانتے تھے' تو پھر وہ مشرک کیوں قرار پائے؟ اسی لئے کہ وہ صرف توحید ربوبیت کو مانتے تھے اور توحید الوہیت کے قائل نہیں تھے اور خدائی اختیارات و اوصاف میں اور اس کے حق عبادت میں دوسروں کو شریک مانتے تھے' اس لئے اللہ نے ان کو مشرک قرار دیا۔

اس سے معلوم ہوا کہ صرف توحید ربوبیت کو مان لینا کافی نہیں ہے' اس کے قائل تو

مشرکین عرب بھی تھے۔ توحید ربوبیت کے ساتھ توحید الوہیت کا ماننا بھی ضروری ہے' جب تک توحید الوہیت کو نہیں مانا جائے گا' توحید کے تقاضے پورے نہیں ہوں گے۔ یعنی یہ تسلیم کیا جائے کہ جس طرح وہ ذات کے اعتبار سے واحد ہے' اسی طرح صفات کے اعتبار سے بھی یکتا ہے' اس کی سی صفات کسی کے اندر نہیں پائی جاتیں۔ اسی طرح عبادت کی تمام قسموں کا مستحق بھی صرف اور صرف وہی ہے جس طرح نماز' اللہ کے سوا کسی کے لئے نہیں پڑھی جا سکتی روزہ' اللہ کے سوا کسی کے لئے نہیں رکھا جا سکتا' اسی طرح نذر و نیاز بھی اللہ کے نام کے سوا کسی کے لئے نہیں دی جا سکتی کیونکہ نذر بھی عبادت ہے' دعا بھی اللہ کے سوا کسی سے نہیں مانگی جا سکتی' کیونکہ دعا بھی عبادت ہے۔ نبی ﷺ کا فرمان ہے: ((اَلدُّعَاءُ هُوَ الْعِبَادَةُ)) طواف بھی بیت اللہ کے سوا' کسی اور جگہ کا نہیں کیا جا سکتا۔

افسوس ہے کہ آج مسلمانوں کی ایک بہت بڑی اکثریت بھی مشرکین عرب کی طرح توحید ربوبیت کی تو قائل ہے' لیکن توحید الوہیت کی منکر ہے' اس لئے وہ مافوق الاسباب طریقے سے غیر اللہ سے بھی امیدیں وابستہ کرتی ہے' غیر اللہ کے نام کی بھی نذر و نیاز دیتی ہے غیر اللہ سے بھی استمداد و استغاثہ کرتی ہے۔ قبروں کا طواف کرتی ہے' بہت سے لوگ قبروں کو سجدہ تک کرتے ہیں۔ کیونکہ وہ غیر اللہ میں بھی اللہ والی صفات تسلیم کرتے ہیں۔ حالانکہ یہ شرک ہے ؎

بتوں سے تجھ کو امیدیں خدا سے نومیدی
مجھے بتا تو سہی اور کافری کیا ہے؟ (علامہ اقبالؒ)

کیا مسلمانوں کو ان کے مشرکانہ عقائد کی وجہ سے مشرک نہیں کہا جا سکتا؟ ایک مغالطے کی وضاحت

بعض لوگ کہتے ہیں کہ ہمارے ملک میں جو لوگ آستانوں اور قبروں پر جا کر استغاثہ و استمداد کرتے' حتیٰ کہ ان کی قبروں کو سجدے تک کرتے ہیں' انہیں مشرک نہیں کہا جا سکتا' یا انہیں مشرک نہیں کہنا چاہیئے' ان کا استدلال یہ ہے کہ قرآن نے مشرکین کی اصطلاح صرف

اہل مکہ اور عرب کے دیگر مشرکین کے لئے استعمال کی ہے اور یہود و نصاریٰ کو اہل کتاب کہا ہے' حالانکہ ان کے عقیدے بھی مشرکانہ ہی تھے' لیکن ان کو قرآن مجید میں اللہ نے مشرک کے لفظ سے مخاطب نہیں فرمایا۔ یہ استدلال علمی لحاظ سے اپنے اندر کوئی وزن نہیں رکھتا۔ کیونکہ نزول قرآن کے وقت جو فرقے تھے' وہ ویسے تو سارے ہی کافر اور مشرک تھے' اللہ تعالیٰ سب کے لئے کفار و مشرکین کے الفاظ استعمال فرما سکتا تھا اور واقعات کے اعتبار سے یہ صحیح ہوتا۔ لیکن اللہ نے ایسا نہیں کیا۔ کیوں؟ کیا اس کی وجہ یہ تھی کہ یہود و نصاریٰ عقیدے کے لحاظ سے مشرک نہیں تھے؟ اور صرف بتوں کے پجاری عرب ہی مشرکانہ عقیدوں کے حامل تھے؟ یقیناً یہ وجہ نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ یہود و نصاریٰ کے مشرکانہ عقیدوں کی وضاحت خود قرآن نے کی ہے۔ کیا حضرت عیسیٰ اور ان کی والدہ حضرت مریم کو الٰہ (معبود) ماننا مشرکانہ عقیدہ نہیں ہے؟ کیا اللہ کی بابت یہ کہنا کہ وہ "تین (خداؤں) میں سے تیسرا ہے" مشرکانہ عقیدہ نہیں ہے؟ حضرت عزیر اور حضرت مسیح کو اللہ کا بیٹا قرار دینا مشرکانہ عقیدہ نہیں ہے؟ اور کیا قرآن نے ان کے ان عقیدوں کو لفظ کفر سے تعبیر نہیں کیا ہے؟ اگر ان باتوں کا جواب اثبات میں ہے (اور یقیناً اثبات میں ہے' کیونکہ یہ سب قرآن میں مذکور ہے) تو پھر سوال یہ ہے کہ ان کے مذکورہ عقیدوں کی وجہ سے یہود و نصاریٰ کو مشرک اور کافر کہا جا سکتا ہے یا نہیں؟ کافر کا لفظ تو ان کے لئے صراحۃً قرآن میں بھی استعمال ہوا ہے۔ گویا اصل سوال یہ رہ گیا' انہیں مشرک کہا جا سکتا ہے یا نہیں؟

ہمارا جواب یہ ہے کہ مذکورہ عقیدے مشرکانہ ہیں' اس لئے ان عقیدوں کے حاملین بھی یقیناً اسی طرح مشرک ہیں' جیسے لات و عزیٰ کے پجاری مشرک تھے۔ اب یہ سوال سامنے آتا ہے کہ پھر قرآن نے ان کو صراحت کے ساتھ مشرک کیوں نہیں کہا؟ اور انہیں مشرکین عرب کے مقابلے میں اہل کتاب کے الفاظ سے کیوں مخاطب کیا؟ ہمارے ناقص فہم کے مطابق اس کی اصل وجہ تمام موجود فرقوں کا امتیاز اور تشخص تھا' اگر سب کیلئے ایک ہی لفظ "مشرک" استعمال کیا جاتا' تو کسی بھی فرقے کا امتیاز باقی نہ رہتا' جب کہ اللہ کی مشیت' ان کے امتیاز کو باقی رکھنا تھی۔ یہود و نصاریٰ کا امتیاز یہ تھا کہ وہ اللہ اور رسولوں کے ماننے والے تھے' انہیں آسمانی

کتابوں سے بھی نوازا گیا تھا' لیکن اس کے باوجود وہ عمل و اعتقاد کی خرابیوں میں مبتلا ہو گئے۔ انہیں بار بار اہل کتاب کے لفظ سے خطاب کرنے میں یہی حکمت تھی کہ انہیں ان کے جرم اور معصیت و طغیان کی شناعت و قباحت کو زیادہ سے زیادہ نمایاں کر کے دکھلایا جاتا اور وہ اسی طرح ہو سکتا تھا کہ انہیں یاد دلایا جاتا کہ تم لوگوں نے اہل کتاب ہونے کے باوجود یہ یہ کیا اور اس اس قسم کے عقیدے گھڑ لئے' جو صریحاً کفر ہیں۔ اس کا مطلب ہرگز یہ نہیں ہے کہ ان کے اندر شرک نہیں پایا جاتا تھا اور اس اعتبار سے وہ مشرک نہیں تھے۔ یقیناً جس طرح وہ کافر تھے' مشرک بھی تھے۔ انہیں اہل کتاب صرف عربوں سے ممتاز کرنے کیلئے کہا گیا' جیسے عربوں کو قرآن نے اُمی بھی کہا' کیونکہ ان کی اکثریت ان پڑھ تھی' جب کہ اہل کتاب میں تعلیم و تعلم کا سلسلہ قائم تھا' اس لئے انہیں اُمی نہیں کہا گیا۔ اس کی وجہ اس معاملے میں دونوں کا اپنا اپنا امتیاز تھا' عرب بالعموم ان پڑھ تھے اور اہل کتاب کی اکثریت پڑھی لکھی۔ اس لئے ایک کو اہل کتاب اور دوسرے کو اُمی کہا گیا۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ عربوں میں کوئی بھی پڑھا لکھا نہ تھا یا اہل کتاب میں کوئی ان پڑھ نہ تھا' یہ عمومی اعتبار سے ان کا ایک تشخص تھا جس کو اللہ نے ایک حکمت و مصلحت کے تحت باقی رکھا۔ اس سے قطعاً یہ مفہوم اخذ نہیں کیا جا سکتا کہ اہل کتاب کو مشرک نہیں کہا جا سکتا۔ اسکو ایک اور مثال سے یوں سمجھا جا سکتا ہے۔ قرآن میں ہے:

﴿ إِنَّ ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ وَٱلَّذِينَ هَادُوا۟ وَٱلصَّـٰبِـِٔينَ وَٱلنَّصَـٰرَىٰ وَٱلْمَجُوسَ وَٱلَّذِينَ أَشْرَكُوٓا۟ إِنَّ ٱللَّهَ يَفْصِلُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ ٱلْقِيَـٰمَةِ ﴾ (الحج ۲۲/ ۱۷)

"بے شک جو لوگ ایمان لائے اور جو یہودی ہوئے اور صابئین اور نصاریٰ اور مجوس اور وہ لوگ جنہوں نے شرک کیا' اللہ قیامت کے دن ان کے درمیان فیصلہ فرمائے گا۔"

یہاں اللہ تعالیٰ نے ان تمام گروہوں کا الگ الگ نام لیا' جو نزول قرآن کے وقت عرب یا اس کے قرب و جوار میں تھے اور امتیازی ناموں سے معروف تھے' ان میں اہل ایمان اور یہود و نصاریٰ کے علاوہ صابئین اور مجوس کا نام بھی ہے' 'صابئین' فرشتوں اور ستاروں کے پجاری تھے۔ مجوس' سورج پرست اور آتش پرست تھے' بلکہ مجوس دو خالق مانتے تھے' ایک

نور اور خیر کا خالق اور دوسرا ظلمت اور شر کا خالق اور یہ دنیا کا واحد فرقہ ہے جو ذات کے اعتبار سے تعدد الٰہ کا قائل ہے۔ ورنہ دیگر تمام مشرکین ذات کے اعتبار سے ایک ہی الٰہ کے قائل رہے ہیں' وہ صرف صفات کے اعتبار سے دوسروں کو خدائی اختیارات کا حامل سمجھتے تھے' جیسے آج کل کے قبر پرست ہیں۔ گویا دنیا میں اصل اور سب سے بڑے مشرک مجوس تھے اور ہیں' لیکن قرآن نے ان کا ذکر مشرکوں کے ساتھ نہیں کیا' بلکہ ان کے امتیازی نام سے ان کا ذکر کیا' صابئین کا بھی ان کے امتیازی نام سے ذکر کیا اور ان سب کا نام لینے کے بعد فرمایا' ﴿وَالَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا﴾ "اور وہ لوگ جنھوں نے شرک کیا" یعنی بتوں کے پجاریوں کو الگ مشرکین کے لفظ سے یاد کیا' جب کہ صابئین بھی ستارہ پرست اور مجوس بھی سورج پرست و آتش پرست تھے اور اس اعتبار سے یقیناً یہ بھی پکے مشرک تھے' لیکن اس کے باوجود قرآن نے ان کا ذکر مشرکین سے الگ کیا۔ کیا اس سے یہ استدلال صحیح ہو گا کہ صابئین اور مجوس مشرک نہیں ہیں یا انہیں مشرک نہیں کہا جا سکتا' کیونکہ قرآن نے ان کے لئے مشرکین کی اصطلاح استعمال نہیں کی؟

اگر صابئین اور مجوس اپنے عقیدوں کے اعتبار سے مشرک ہیں اور انہیں مشرک کہا جا سکتا ہے' حالانکہ قرآن نے انہیں مشرک نہیں کہا' بلکہ مشرکین سے الگ ان کا ذکر کیا ہے۔ تو یقیناً یہود و نصاریٰ کو بھی ان کے عقیدوں کی بنا پر مشرک کہا جا سکتا ہے' گو قرآن نے ان کا ذکر مشرکین سے الگ کیا ہے۔ کیونکہ امتیاز کے لئے الگ الگ نام لینا ضروری تھا۔ اسی طرح جو نام نہاد مسلمان مشرکانہ عقائد و اعمال میں مبتلا ہیں' وہ مسلمانوں میں شمار ہونے کے باوجود' مشرک کیوں نہیں ہو سکتے؟ یا انہیں مشرک کیوں نہیں کہا جا سکتا؟

یہ ساری گفتگو ہم نے یہ تسلیم کرتے ہوئے کی ہے کہ قرآن نے یہود و نصاریٰ کو مشرک نہیں کہا ہے۔ لیکن ہمارے خیال میں یہ دعویٰ بھی مکمل طور پر صحیح نہیں ہے۔ یہ ٹھیک ہے کہ صراحتاً انہیں مشرک نہیں کہا گیا' لیکن قرآن نے انکے مشرک ہونے کی طرف واضح اشارہ ضرور کیا ہے' دیکھئے قرآن نے کہا:

﴿ لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ ۖ وَقَالَ

ٱلْمَسِيحُ يَٰبَنِىٓ إِسْرَٰٓءِيلَ ٱعْبُدُوا۟ ٱللَّهَ رَبِّى وَرَبَّكُمْ ۖ إِنَّهُۥ مَن يُشْرِكْ بِٱللَّهِ فَقَدْ حَرَّمَ ٱللَّهُ عَلَيْهِ ٱلْجَنَّةَ وَمَأْوَىٰهُ ٱلنَّارُ ۖ وَمَا لِلظَّٰلِمِينَ مِنْ أَنصَارٍ ﴿٧٢﴾

(المائدۃ٥/ ٧٢)

"یقیناً ان لوگوں نے کفر کیا' جنہوں نے کہا کہ مسیح ابن مریم ہی اللہ ہے۔ اور مسیح نے کہا' اے بنو اسرائیل! اللہ کی عبادت کرو' جو میرا بھی رب ہے اور تمہارا بھی رب ہے۔ بلاشبہ جو اللہ کے ساتھ شرک کرتا ہے' تو اللہ نے اس پر جنت حرام کر دی ہے اور اس کا ٹھکانا جہنم ہے اور ظالموں (مشرکوں) کا کوئی مددگار نہیں ہو گا۔"

قرآن کریم کی اس آیت کا سیاق واضح کر رہا ہے کہ مسیحیوں کا عقیدۂ ابنیت مسیح جیسے کفر ہے' وہ شرک بھی ہے۔ فرق صرف یہ ہے کہ کفر کے لئے صریح لفظ استعمال کیا گیا ہے' جب کہ شرک کے لئے تعریض و کنایہ کا انداز اپنایا گیا ہے۔ اگر ابنیت مسیح کا عقیدہ شرک نہ ہوتا یا کم از کم یہ کہا جائے کہ قرآن نے اسے شرک سے تعبیر نہیں کیا ہے' تو یہاں ﴿ مَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ ﴾ کہنے کا کوئی مطلب ہی نہیں رہتا۔ یہ عقیدہ شرک ہے' تب ہی تو اللہ نے اس عقیدے کو کفر سے تعبیر کر کے شرک کی سزا بیان فرمائی ہے' ورنہ یہ کہا جاتا' ﴿ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِاللّٰهِ --- وَمَنْ يَّكْفُرْ بِاللّٰهِ ﴾ کی جگہ ﴿ وَمَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ ﴾ کہہ کر واضح کر دیا گیا کہ کسی کا امتیازی نام کچھ بھی ہو' لیکن اگر اس کے عقیدہ و عمل میں شرک کی آمیزش پائی جائے' تو اس کے عقیدے کو شرک اور خود اس کو مشرک کہا جا سکتا ہے' اسی لئے قرآن نے یہاں ان کو ظالم سے بھی تعبیر کیا ہے جو یہاں یقیناً مشرک ہی کے معنی میں ہے۔ اسی طرح قرآن کریم کی دوسری آیت ہے:

﴿ ٱتَّخَذُوٓا۟ أَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَٰنَهُمْ أَرْبَابًا مِّن دُونِ ٱللَّهِ وَٱلْمَسِيحَ ٱبْنَ مَرْيَمَ وَمَآ أُمِرُوٓا۟ إِلَّا لِيَعْبُدُوٓا۟ إِلَٰهًا وَٰحِدًا ۖ لَّآ إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ ۚ سُبْحَٰنَهُۥ عَمَّا يُشْرِكُونَ ﴿٣١﴾ ﴾ (التوبۃ٩/ ٣١)

"ان یہود و نصاریٰ نے اپنے علماء اور درویشوں کو' اللہ کے سوا' رب بنا لیا اور مسیح ابن مریم کو بھی' حالانکہ انہیں حکم تو یہ دیا گیا تھا کہ وہ صرف ایک اِلٰہ کی عبادت کریں' جس

کے سوا کوئی الٰہ نہیں' وہ پاک ہے ان چیزوں سے جن کو وہ شریک ٹھہراتے ہیں۔"

یہاں بھی قرآن کے سیاق سے صاف واضح ہو رہا ہے کہ یہود و نصاریٰ کا اپنے علماء کو رب بنا لینا اور (عیسائیوں کا) مسیح ابن مریم کو رب بنا لینا شرک ہے' اس شرک سے اللہ تعالیٰ پاک ہے اور جب ان کا یہ عقیدہ شرک ہے جس سے اللہ تعالیٰ براءت کا اظہار فرما رہا ہے' تو یہود و نصاریٰ یقیناً مشرک ہوئے۔ اس لئے جب بھی ان کے فسادِ عقیدہ کی بات ہو گی' تو ان کے فاسد عقیدے کو شرک اور خود ان کو مشرک کہا جائے گا' گو اصطلاح یا امتیاز کے طور پر انہیں بالعموم اہل کتاب ہی کے الفاظ سے موسوم کیا جائے۔ یہ بالکل ایسے ہی ہے' جیسے بدکاری کے مرتکب کو زانی' چوری کرنے والے کو چور' ڈاکہ مارنے والے کو ڈاکو کہا جاتا ہے چاہے وہ کوئی بھی ہو' دنیا کے کسی بھی مذہب سے اس کا تعلق ہو۔ اسی طرح جو بھی مشرکانہ عقیدہ و عمل کا حامل اور مرتکب ہو گا' اس کے عقیدہ و عمل کو شرک اور خود اسے مشرک کہا جائے گا' چاہے وہ کوئی بھی ہو اور کسی بھی مذہب سے اس کا تعلق ہو۔

باقی رہا مسئلہ کہ جہالت یا ناسمجھی کی وجہ سے اسے کچھ رعایت مل سکتی ہے یا نہیں؟ اس کی بابت ہم کچھ نہیں کہہ سکتے' یہ اس کا معاملہ اللہ کے ساتھ ہے' جس کا فیصلہ وہ روز قیامت ہی فرمائے گا۔ علماء کی ذمے داری بلاغ مبین (کھول کر بیان کر دینا) ہے اور اس بلاغ مبین میں یہ بات بھی شامل ہے کہ جو عقیدہ یا عمل جیسا ہے' قرآن و حدیث کی روشنی میں اس کی وضاحت کریں' اس پر تاویلات کا پردہ ڈالیں نہ مصلحت کا نقاب۔ وہ حلال ہے یا حرام' سنت ہے یا بدعت' شرک ہے یا توحید؟ ہر عمل کی وضاحت علماء کا منصبی فریضہ ہے' تاکہ لوگ حلال کو اختیار کریں' حرام سے بچیں' سُنّت پر عمل کریں' بدعت سے گریز کریں اور شرک سے بچیں اور توحید کا راستہ اپنائیں۔

کیا امت مسلمہ شرک کا ارتکاب نہیں کرے گی؟

ایک اور مغالطے کی وضاحت

ایک اور بات یہ کہی جاتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ "مجھے تم سے یہ

اندیشہ نہیں ہے کہ تم میرے بعد شرک کرو گے' البتہ یہ اندیشہ ضرور ہے کہ تم دنیا میں' ایک دوسرے کے مقابلے پر' رغبت کرو گے۔" (صحیح بخاری' الجنائز' باب الصلاۃ علی الشهید' ح :۱۳۴۴)

جب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میرے بعد میری امت کے شرک میں مبتلا ہونے کا اندیشہ نہیں' تو اس کا مطلب ہے کہ مسلمان مشرکانہ عقائد و اعمال میں مبتلا ہی نہیں ہوں گے' پھر انہیں مشرک کیوں کر کہا جا سکتا ہے؟

جہاں تک اس فرمانِ رسول کا تعلق ہے' بلاشبہ صحیح ہے۔ اس حدیث کی صحت میں کوئی شک نہیں۔ لیکن اس حدیث کا مطلب یہ ہرگز نہیں ہے کہ امت محمدیہ کا کوئی فرد بھی کبھی شرک کا ارتکاب نہیں کرے گا۔ کیونکہ دوسری متعدد احادیث میں آپ نے اپنی امت کے افراد کے بھی شرک میں ملوث ہونے کی پیش گوئی فرمائی ہے۔ (ملاحظہ ہو: صحیح بخاری' الفتن' ح :۷۱۱۶' صحیح مسلم' الفتن' ح :۲۹۰۷)

سند کے لحاظ سے یہ روایات بھی صحیح ہیں۔ اب یا تو ان دونوں صحیح روایات میں تعارض تسلیم کیا جائے؟ یا پھر ان کا مطلب ایسا لیا جائے کہ ان کے مابین تعارض نظر نہ آئے۔ ہمارے نزدیک یہ دوسرا نقطۂ نظر ہی صحیح ہے' کیونکہ دو صحیح حدیثوں میں حقیقی تعارض ہو ہی نہیں سکتا' جو ظاہری تعارض نظر آتا ہے' وہ اپنی ہی کم فہمی کا نتیجہ ہوتا ہے' حقیقت میں تعارض نہیں ہوتا اور محدثین ان میں ایسی تطبیق دے لیتے ہیں کہ دونوں روایات اپنے اپنے محل میں ٹھیک بیٹھ جاتی ہیں۔

اول الذکر حدیث کی بابت بھی محدثین نے وضاحت فرمائی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا یہ فرمان صحابۂ کرام کے متعلق ہے' یہ آپ نے اپنی ساری امت کی بابت نہیں' بلکہ صرف صحابہ کی بابت فرمایا ہے۔ کہ مجھے ان سے شرک کا اندیشہ نہیں۔ ضمیر خطاب میں خطاب' صحابہ سے ہے' ساری امت سے نہیں۔ اور اگر اسے ساری امت سے متعلق مانا جائے تو مطلب ہو گا کہ ساری امت شرک میں مبتلا نہیں ہو گی' بلکہ اگر کچھ لوگ شرک کریں گے' تو ایک گروہ توحید پر ضرور قائم رہے گا اور اس کی طرف دعوت دے گا۔ چنانچہ اہل توحید و

اہل سُنّت کا ایک گروہ ایسا چلا آ رہا ہے اور اب بھی ہے کہ وہ مشرکانہ عقائد و اعمال سے پاک اور توحید و سنت پر قائم ہے اور اہل توحید و اہل حق کا یہ گروہ قیامت تک موجود رہے گا۔

دیگر ارشاداتِ رسول کی روشنی میں زیرِ بحث نکتے کی وضاحت: علاوہ ازیں سدباب کے طور پر نبی کریم ﷺ نے اپنی امت کو بہت سی ایسی تنبیہات فرمائی ہیں جن کا مقصد امت کو شرک سے بچانا اور عقیدۂ توحید کی حفاظت کرنا ہے۔ اگر امت مسلمہ کا شرک میں مبتلا ہونے کا اندیشہ ہی نہ ہوتا تو ان تنبیہات اور انسدادی احکام کی ضرورت ہی نہ ہوتی۔ نبی ﷺ کے ان تنبیہی احکام سے بھی اس امر کی وضاحت ہوتی ہے کہ انسانی کمزوریوں اور سابقہ امتوں کے طرز عمل کے پیش نظر یقیناً آپ کے سامنے یہ اندیشہ رہا کہ آپ کی امت بھی شرک کی دلدل میں پھنس سکتی ہے۔ چنانچہ اس سے بچنے کے لیے آپ نے حسب ذیل باتوں کی بطور خاص تاکید فرمائی۔

① آپ نے اپنی شان اور مدحت و تعریف میں غلو کرنے سے منع فرمایا' کیونکہ یہ چیز عقیدت مندوں کو ممدوح کی عبادت کرنے تک پہنچا دیتی ہے۔ جیسے عیسائیوں کے ہاں ہوا' انہوں نے حضرت عیسیٰ اور حضرت مریم کی شان میں غلو کیا' اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ یہ دونوں عبد سے معبود بن گئے۔ اس لیے نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

«لَا تُطْرُوْنِيْ كَمَا أَطْرَتِ النَّصَارٰى ابْنَ مَرْيَمَ فَإِنَّمَا أَنَا عَبْدُهُ، فَقُوْلُوْا: عَبْدُاللهِ وَرَسُوْلُهُ»(صحيح البخاري، أحاديث الأنبياء، باب قول الله تعالٰى ﴿واذكر في الكتاب مريم﴾، ح: ٣٤٤٥)

''تم مجھے میری حد سے اس طرح نہ بڑھانا جیسے عیسائیوں نے ابن مریم (حضرت عیسیٰ) کو بڑھا دیا' پس میں تو صرف اس کا بندہ ہوں' تو تم مجھے اللہ کا بندہ اور اس کا رسول ہی کہنا۔''

② نبی ﷺ نے قبروں کو پختہ کرنے اور ان پر عمارتیں بنانے وغیرہ سے منع فرمایا:

«نَهٰى رَسُوْلُ اللهِ ﷺ أَنْ يُّجَصَّصَ الْقَبْرُ وَأَنْ يُّقْعَدَ عَلَيْهِ وَأَنْ يُّبْنٰى

عَلَيْهِ»(صحيح مسلم، الجنائز، باب النهي عن تجصيص القبر...، ح:٩٧٠)

"رسول اللہ ﷺ نے قبروں کو چونہ گچ (پختہ) کرنے سے' ان پر بیٹھنے سے اور ان پر عمارت تعمیر کرنے سے منع فرمایا ہے۔"

اسی طرح قبر پر نام وغیرہ لکھنے سے بھی آپ نے منع فرمایا ہے۔ ان چیزوں سے منع کرنے میں بھی حکمت یہی ہے کہ لوگ شرک سے دور رہیں۔ کیونکہ قبروں کو پختہ کرنا یا ان پر قبے وغیرہ بنانا یا ان کے ناموں کی تختی لگانا یہ صالحین کی یا ان کی قبروں کی تعظیم میں غلو کرنے ہی کا نتیجہ ہے' جو مفضی الی الشرک ہے۔

③ قبروں پر بیٹھنے اور ان کی طرف رخ کر کے نماز پڑھنے سے منع فرمایا:

«لاَ تُصَلُّوْا إِلَى الْقُبُوْرِ وَلاَ تَجْلِسُوْا عَلَيْهَا»(صحيح مسلم، الجنائز، باب النهي عن الجلوس على القبر والصلاة عليه، ح:٩٧١)

"تم قبروں کی طرف نماز پڑھو اور نہ ان پر بیٹھو۔"

قبروں کی طرف رخ کر کے نماز پڑھنے میں بھی اندیشۂ شرک پایا جاتا ہے' اسی طرح اگر بیٹھنے سے مراد مجاور بن کر بیٹھنا مراد لے لیا جائے (کیونکہ یہ بھی بیٹھنے میں آ جاتا ہے) تو یہ بھی تعظیم قبور میں غلو کی شکل ہے' جو نہایت خطرناک ہے۔

④ پچھلی امتوں (یہود و نصاریٰ) نے اپنے انبیاء اور صالحین کی قبروں کے ساتھ یہی غلو کیا اور انہوں نے قبروں کو عبادت گاہیں بنا لیا' جس پر وہ لعنت کے مستحق قرار پائے۔

چنانچہ نبی کریم ﷺ نے اپنے مرض الموت میں فرمایا:

«لَعَنَ اللهُ الْيَهُوْدَ وَالنَّصَارَى اتَّخَذُوْا قُبُوْرَ أَنْبِيَائِهِمْ مَسَاجِدَ»

"اللہ تعالیٰ یہود و نصاریٰ پر لعنت فرمائے' انہوں نے اپنے انبیاء کی قبروں کو سجدہ گاہیں بنا لیا۔"

اس کی راویہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا حدیث مذکور بیان کر کے فرماتی ہیں:

«لَوْلاَ ذٰلِكَ أُبْرِزَ قَبْرُهُ غَيْرَ أَنَّهُ خَشِيَ أَنْ يُتَّخَذَ مَسْجِدًا»(صحيح البخاري، الجنائز، باب ما جاء في قبر النبي ﷺ وأبي بكر وعمر رضي الله عنهما،

ح: ۱۳۹۰)

"اگر مذکورہ اندیشہ نہ ہوتا تو آپ کی قبر مبارک ظاہر کر دی جاتی (یعنی اسے کسی کھلی جگہ پر بنایا جاتا) مگر آپ نے اندیشہ محسوس کیا کہ کہیں اسے سجدہ گاہ نہ بنالیا جائے۔"

ایک دوسری روایت میں آپ نے فرمایا:

«أَلَا وَإِنَّ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ كَانُوْا يَتَّخِذُوْنَ قُبُوْرَ أَنْبِيَائِهِمْ وَصَالِحِيْهِمْ مَّسَاجِدَ، أَلَا فَلَا تَتَّخِذُوا الْقُبُوْرَ مَسَاجِدَ، إِنِّيْ أَنْهَاكُمْ عَنْ ذٰلِكَ»

(صحيح مسلم، المساجد، باب النهي عن بناء المساجد على القبور . . . ، ح: ۵۳۲)

"خبردار! تم سے پہلے جو لوگ تھے' وہ اپنے انبیاء اور صالحین کی قبروں کو سجدہ گاہیں بنا لیتے تھے' سنو! تم قبروں کو سجدہ گاہیں نہ بنانا۔ میں تمہیں اس سے منع کرتا ہوں۔"

ایک اور روایت میں ہے کہ حضرت ام حبیبہ اور حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے حبشے میں ایک گرجا دیکھا' جس میں تصویریں تھیں' انہوں نے اس کا ذکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا' تو آپ نے فرمایا:

«إِنَّ أُولٰئِكَ إِذَا كَانَ فِيهِمُ الرَّجُلُ الصَّالِحُ فَمَاتَ بَنَوْا عَلٰى قَبْرِهِ مَسْجِدًا وَّصَوَّرُوْا فِيْهِ تِلْكَ الصُّوَرَ، فَأُولٰئِكَ شِرَارُ الْخَلْقِ عِنْدَ اللهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ»(صحيح البخاري، الصلاة، باب هل تنبش قبور مشركي الجاهلية ويتخذ مكانها مساجد، ح: ۴۲۷)

"یہ لوگ' جب ان میں نیک آدمی مرجاتا' تو اس کی قبر پر سجدہ گاہ بنالیتے اور اس میں اس کی تصویریں رکھ لیتے' یہ لوگ قیامت کے دن اللہ عزوجل کے نزدیک مخلوق میں سب سے بدترین ہوں گے۔"

⑤ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی قبر مبارک کے بارے میں خاص طور پر حکم دیا:

«لَا تَجْعَلُوْا قَبْرِيْ عِيْدًا»(سنن أبي داود، المناسك، باب زيارة القبور، ح: ۲۰۴۲)

"میری قبر کو عید (میلے کی جگہ) نہ بنانا۔"

عید' کے لفظی معنی ہیں' بار بار لوٹ کر آنا۔ مسلمانوں کے دو ملی تہوار ہیں عیدالاضحیٰ اور عیدالفطر۔ ان کو بھی عید اسی لیے کہا جاتا ہے کہ یہ تہوار بھی ہر سال لوٹ لوٹ کر آتے ہیں۔ مطلب نبی ﷺ کا یہ تھا کہ جس طرح مشرکین اپنے بتوں کے سالانہ میلے مناتے ہیں' اسی طرح تم میری قبر پر میلہ نہ لگانا کہ تم ہر سال اس میلے کے نام پر میری قبر پر آؤ اور بعض شارحین نے اس کے معنی کیے ہیں۔

"میری قبر پر زیارت کے لیے اجتماع نہ کرنا جیسے عید پر اجتماع کرتے ہو۔" (عون المعبود شرح سنن ابی داود۔ ۱۷۱/۲' طبع قدیم)

اس کا مطلب بھی وہی میلوں ٹھیلوں کا اہتمام کرنا ہے۔ اس سے روک دیا گیا ہے' کیونکہ اس سے بھی شرک ہی کی راہ ہموار ہوتی ہے' چنانچہ شاہ ولی اللہ اس حدیث کی بابت فرماتے ہیں:

«هٰذَا إِشَارَةٌ إِلٰى سَدِّ مَدْخَلِ التَّحْرِيْفِ كَمَا فَعَلَ الْيَهُوْدُ وَالنَّصَارٰى بِقُبُوْرِ أَنْبِيَائِهِمْ وَجَعَلُوْا عِيْدًا وَّمَوْسِمًا بِمَنْزِلَةِ الْحَجِّ»(حجة الله البالغة: ۲/ ۷۷ طبع مصر)

"اس فرمان سے دین میں تحریف کے دروازے کو بند کرنا مطلوب ہے کہ کہیں یہ امت بھی یہود و نصاریٰ کی طرز پر اپنے بزرگوں کی قبروں کو حج کی طرح موسم اور عید ہی نہ بنا ڈالے۔"

اسی لیے آپ نے اپنی امت کو مذکورہ حکم دینے کے ساتھ ساتھ بارگاہ الٰہی میں بھی دعا فرمائی:

«اَللّٰهُمَّ لَا تَجْعَلْ قَبْرِيْ وَثَنًا يُّعْبَدُ» (مسند أحمد: ۲/ ۲٤٦، والمصنف لابن أبي شيبة: ۳/ ۳٤٥)

"اے اللہ میری قبر کو ایسا بت نہ بنانا جس کی پوجا کی جائے۔"

اس سے معلوم ہوا کہ کسی قبر کو خاص قابل تعظیم سمجھنا' بار بار اس کی زیارت کے لیے آنا' یا حاجت برآری کے لیے وہاں حاضری دینا' اس قبر کو بت بنا دینے اور سمجھنے کے

مترادف ہے۔ جیسا کہ بہت سی قبروں کا یہی حال ہم دیکھ رہے ہیں۔ شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

«وَقَوْلُ النَّبِيِّ ﷺ: اَللّٰهُمَّ لاَ تَجْعَلْ "الحديث" دَلِيْلٌ عَلٰى أَنَّ الْقُبُوْرَ قَدْ تُجْعَلُ أَوْثَانًا وَهُوَ ﷺ خَافَ مِنْ ذٰلِكَ فَدَعَا اللهَ أَنْ لاَّ يَفْعَلَهُ بِقَبْرِهِ وَاسْتَجَابَ اللهُ دُعَاءَهُ رَغْمَ أَنْفِ الْمُشْرِكِيْنَ الضَّالِّيْنَ الَّذِيْنَ يُشَبِّهُوْنَ قَبْرَ غَيْرِهِ بِقَبْرِهِ»(كتاب الرد على الاخنائى على هامش "الرد على البكري" ص: ٢٣٤)

"نبی اکرم ﷺ اس بات سے ڈر گئے تھے کہ کہیں میری قبر بھی بت نہ بن جائے اور آپ نے اللہ سے دعا کی کہ میری قبر کے ساتھ ایسا نہ ہو اور اللہ تعالیٰ نے گم کردہ راہ مشرکین کی خواہش کے علی الرغم' جو دوسرے کی قبر کو آپ کی قبر کے ساتھ تشبیہ دیتے ہیں' آپ کی دعا کو قبول فرمالیا۔"

ایک اور مقام پر امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

وَهُمْ دَفَنُوْهُ ﷺ فِيْ حُجْرَةِ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا خِلاَفَ مَا اعْتَادُوْهُ مِنَ الدَّفْنِ فِي الصَّحْرَاءِ لِئَلاَّ يُصَلِّيَ أَحَدٌ عِنْدَ قَبْرِهِ وَيَتَّخِذَهُ مَسْجِدًا فَيُتَّخَذَ قَبْرُهُ وَثَنًا(العقود الدرية، ص: ٣٣٨)

"نبی اکرم ﷺ کو خلاف معمول کسی کھلی جگہ میں دفن کرنے کی بجائے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرے (چار دیواری) میں اسی لیے دفن کیا گیا تاکہ کوئی شخص آکر وہاں نماز نہ پڑھے اور اسے مسجد نہ بنالے کہ اس طرح آپ کی قبر بت بن جاتی۔"

⑥ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

«لاَ تُشَدُّ الرِّحَالُ إِلاَّ إِلٰى ثَلاَثَةِ مَسَاجِدَ، الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَمَسْجِدِ الرَّسُوْلِ ﷺ وَمَسْجِدِ الأَقْصٰى»(صحيح البخاري، فضل الصلاة في مسجد مكة والمدينة، ح:١١٨٩)

"تین مسجدوں --- مسجد حرام، مسجد نبوی اور مسجد اقصیٰ --- کے سوا کسی بھی جگہ کی طرف

(بغرض ثواب و تقرب الٰہی) سفر نہ کیا جائے۔"

اس حدیث کی رُو سے ان تمام مزارات' مقابر و مشاہد' آستانوں اور درگاہوں کی طرف سفر کرنا ممنوع ہے جہاں لوگ تقرب اور ثواب کی نیت سے جاتے ہیں۔ اس لیے کہ یہ بھی غیراللہ کی عبادت کا ذریعہ بنتا ہے۔ چنانچہ شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

«كَانَ أَهْلُ الْجَاهِلِيَّةِ يَقْصُدُوْنَ مَوَاضِعَ مُعَظَّمَةً بِزَعْمِهِمْ وَيَزُوْرُوْنَهَا وَيَتَبَرَّكُوْنَ بِهَا وَفِيْهِ مِنَ التَّحْرِيْفِ وَالْفَسَادِ مَالاَ يَخْفٰى فَسَدَّ النَّبِيُّ ﷺ الْفَسَادَ لِئَلَّا يَلْتَحِقَ غَيْرُ الشَّعَائِرِ بِالشَّعَائِرِ وَلِئَلَّا يَصِيْرَ ذَرِيْعَةً لِعِبَادَةِ غَيْرِ اللهِ وَالْحَقُّ عِنْدِيْ أَنَّ الْقَبْرَ وَمَحَلَّ عِبَادَةِ وَلِيٍّ مِّنْ أَوْلِيَاءِ اللهِ وَالطُّوْرَ كُلَّ ذٰلِكَ سَوَاءٌ فِي النَّهْيِ»(حجة الله البالغة: ١/ ١٩٢)

"یعنی زمانۂ جاہلیت کے لوگ ایسے مقامات پر جاتے تھے جو ان کے گمان میں قابل احترام ہوتے تھے' وہ وہاں ان کی تعظیم و زیارت اور حصول برکت کے لیے جاتے۔ اس میں چونکہ غیراللہ کی عبادت کا دروازہ کھلتا ہے' اس لیے نبی ﷺ نے بگاڑ کی اس جڑ کو (حکماً) بند کر دیا اور میرے نزدیک حق بات یہ ہے کہ قبر' کسی ولی کی عبادت گاہ اور کوہ طور' حکم ممانعت میں سب برابر ہیں (یعنی سب کی طرف تقربی سفر ممنوع ہے۔)"

⑦ نبی کریم ﷺ نے کسی ایسی جگہ نذر کا جانور ذبح کرنے سے منع فرمایا' جہاں پہلے غیراللہ کے نام کے جانور ذبح ہوتے رہے ہوں یا وہاں کوئی میلہ منایا جاتا رہا ہو۔ چنانچہ حدیث میں آتا ہے کہ ایک شخص نبی ﷺ کے پاس آیا اور اس نے کہا "میں نے نذر مانی ہے کہ میں بوانہ جگہ میں اونٹ ذبح کروں گا۔ آپ نے پوچھا' کیا وہاں زمانۂ جاہلیت کے بتوں میں سے کوئی بت تھا جس کی پرستش کی جاتی تھی؟ لوگوں نے بتلایا' نہیں۔ پھر آپ نے پوچھا کہ وہاں ان کی عیدوں میں سے کوئی عید تو نہیں منائی جاتی تھی؟ لوگوں نے اس کی بھی نفی کی۔ تو آپ نے سائل کو نذر پوری کرنے کا حکم دیا۔" (ابوداود' الایمان والنذور' باب مایؤمر به من وفاء النذر' ح:٣٣١٣)

ایسی جگہوں پر نذر کے جانور ذبح کرنے سے روکنے کا مقصد بھی یہی ہے کہ ایسی جگہوں کا یا باطل معبودوں کا کوئی تقدس لوگوں کے ذہنوں میں راسخ نہ ہو' کیونکہ ایسا تقدس بھی شرک کا ذریعہ بنتا ہے۔

⑧ نبی اکرم ﷺ نے ایسے الفاظ استعمال کرنے سے منع فرمایا ہے جن میں اللہ اور اس کی مخلوق کے درمیان برابری کا تصور یا شائبہ ہو۔ جیسے ایک حدیث میں نبی ﷺ نے فرمایا:

«لَا تَقُوْلُوْا: مَا شَاءَ اللهُ وَشَاءَ فُلَانٌ، وَلٰكِنْ قُوْلُوْا: مَا شَاءَ اللهُ ثُمَّ شَاءَ فُلَانٌ» (سنن أبي داود، الأدب، باب (بعد باب لا يقال خبثت نفسي)، ح: ٤٩٨٠ وصححه الألباني في تعليقات المشكوة: ٣/١٣٤٩)

"اس طرح مت کہو (وہ ہو گا) جو اللہ چاہے اور فلاں چاہے' بلکہ یہ کہو' جو اللہ چاہے' پھر فلاں چاہے۔"

یعنی ہر کام صرف اللہ کی مشیت ہی سے ہوتا ہے' اس کی مشیت میں کوئی دوسرا شریک نہیں۔ اس لیے اس کی مشیت میں کسی کو شریک مت کرو۔ (اس میں شرک یا شائبہ شرک ہے) البتہ اللہ کی مشیت کے بعد پھر کسی دوسرے کی مشیت کا اظہار کرنا جائز ہے' کیونکہ اس میں شرک کا شائبہ نہیں ہے' اس لیے کہ یہ دوسری مشیت' اللہ کی مشیت کے تابع ہے' جب کہ پہلی صورت میں اللہ کی مشیت اور بندے کی مشیت میں برابری پائی جاتی ہے۔ جیسے لوگ لکھتے اور کہتے ہیں: "اللہ نبی وارث" یہ شرکیہ کلمہ ہے' کیونکہ اس میں بھی نبی کو اللہ کے ساتھ برابری کی سطح پر ملا دیا ہے۔ حالانکہ اللہ کی میراث کی صراحت تو قرآن مجید میں مذکور ہے۔

﴿وَلِلَّهِ مِيرَاثُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ﴾ (آل عمران ٣/ ١٨٠)

"اور اللہ ہی کے لیے ہے میراث آسمانوں اور زمین کی۔"

کیا مطلب؟ اس کا مطلب ہے آسمان اور زمین کی ہر چیز فنا ہو جائے گی اور باقی صرف اللہ رہ جائے گا جو ان سب کا وارث ہے۔ جیسے مرنے والا مرجاتا ہے اور اس کی تمام چیزوں کے وارث وہ لوگ ہوتے ہیں جو اس کی اولاد میں سے یا قریبی رشتے داروں میں سے باقی

(زندہ) ہوتے ہیں۔ اس اعتبار سے جب ایک شخص کہتا ہے۔ اللہ وارث ہے۔ تو اس کا مطلب' اللہ کی بقاء اور اس کے دوام کا اظہار ہے' جو ایک صحیح بات اور صحیح جملہ ہے۔ لیکن جب یہ کہا جائے کہ اللہ نبی وارث ہے۔ تو اس میں عقیدے کا فساد شامل ہو جاتا ہے' اس کا مطلب' اللہ کے ساتھ اللہ کے نبی کا بھی دوام اور بقا ہے۔ جو یکسر غلط ہے' اس لیے کہ نبی ﷺ تو مخلوق ہیں اور آپ موت سے ہم کنار ہو کر اس دنیا سے جا چکے ہیں۔ اب آپ کو ہمیشہ کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرح زندہ اور باقی رہنے والا ماننا' شرک ہے۔ بقاء اور دوام صرف اللہ کی صفت ہے' یہ کسی مخلوق کی صفت نہیں ہو سکتی۔

﴿ كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ ﴿٢٦﴾ وَيَبْقَىٰ وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ ﴿٢٧﴾ ﴾

(الرحمٰن ٥٥/ ٢٦_٢٧)

قرآن کریم کی ان دونوں آیات کا مطلب یہی ہے کہ دنیا کی ہر چیز فانی ہے' بقاء اور دوام صرف اللہ کو حاصل ہے اور اس اعتبار سے ہر چیز کا وارث اور مالک صرف اللہ ہے' اللہ کے سوا کوئی حقیقی وارث اور مالک نہیں۔ سب کی وراثت اور ملکیت عارضی اور فانی ہے' مرنے کے بعد کوئی وارث ہے نہ مالک۔ اللہ کے لیے موت اور فنا نہیں' اسی لیے وہ سب کا وارث اور مالک ہے۔

حدیث شریف میں ہے:

«لَعَنَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ زَائِرَاتِ الْقُبُوْرِ وَالْمُتَّخِذِيْنَ عَلَيْهَا الْمَسَاجِدَ وَالسُّرُجَ» (سنن أبي داود، الأيمان والنذور، باب في زيارة النساء القبور، ح: ٣٢٣٦)

"رسول اللہ ﷺ نے قبروں کی زیارت کرنے والی عورتوں پر اور قبروں کے اوپر مسجدیں بنانے والوں پر اور ان پر چراغ جلانے والوں پر لعنت فرمائی ہے۔"

نبی ﷺ کا یہ فرمان بھی اپنی امت کو شرکیہ امور سے بچانے ہی کے لیے ہے۔ عورتوں کا کثرت سے قبروں پر جانا' اسی طرح قبروں پر مسجدیں بنانا اور قبروں پر چراغ جلانا' یہ سارے کام انہی لوگوں میں رائج ہیں جو مشرکانہ عقائد و اعمال میں مبتلا ہیں' اسی لیے وہ

مذکورہ حدیث کو کوئی اہمیت نہیں دیتے جس میں مذکورہ کاموں کو لعنتی قرار دیا گیا ہے۔ جن کاموں کے مرتکبین پر اللہ کے رسول لعنت فرمائیں ان کی شناعت و قباحت' محتاج وضاحت نہیں رہتی۔ لیکن اس امت کی ڈھٹائی اور بے شرمی بھی قابل تعجب ہے کہ وہ مذکورہ تمام کام بڑے فخر سے کرتی ہے۔ فنعوذ باللّٰہ من ھذا۔

⑩ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«إِذَا طَلَعَ حَاجِبُ الشَّمْسِ فَدَعُوا الصَّلَاةَ حَتَّى تَبْرُزَ وَإِذَا غَابَ حَاجِبُ الشَّمْسِ فَدَعُوا الصَّلَاةَ حَتَّى تَغِيْبَ»(صحيح البخاري، بدء الخلق، باب صفة إبليس وجنوده، ح:٣٢٧٢)

”جب سورج کی ٹکیہ کا کنارہ طلوع ہونے لگے تو نماز چھوڑ دو' یہاں تک کہ وہ ظاہر (بلند) ہو جائے اور جب سورج کی ٹکیہ کا کنارہ غائب (غروب) ہونے لگے تو نماز چھوڑ دو' یہاں تک کہ وہ (اچھی طرح) غائب ہو جائے۔“

اس حدیث میں نبی کریم ﷺ نے سورج کے طلوع اور غروب ہونے کے اوقات میں نماز پڑھنے سے منع فرمایا ہے۔ کیوں؟ اس کی وجہ خود نبی ﷺ نے یہ بیان فرمائی ہے:

«فَإِنَّهَا تَطْلُعُ بَيْنَ قَرْنَيْ شَيْطَانٍ» (المصدر السابق، ح:٣٢٧٣)

”اس لیے کہ وہ (سورج) شیطان کے دو سینگوں کے درمیان طلوع ہوتا ہے۔“

اس کا مطلب شارحین نے یہی بیان کیا ہے کہ جب سورج طلوع ہونے لگتا ہے تو شیطان اس کے سامنے کھڑا ہو جاتا ہے تاکہ سورج اس کے منہ کے سامنے سے نکلے اور غروب شمس کے وقت بھی وہ ایسا ہی کرتا ہے تاکہ غروب بھی اس کے منہ کے سامنے ہو۔ شیطان ایسا کیوں کرتا ہے؟ اس لیے کہ ان دونوں اوقات میں سورج کے پجاری سورج کو سجدہ کرتے ہیں اور جب شیطان ان دونوں اوقات میں اس کے سامنے آ کھڑا ہوتا ہے تو سجدہ بھی اسی شیطان کو ہوتا ہے۔ یوں سورج کے پجاری شیطان کو سجدہ کرتے ہیں۔ (فتح الباری' باب مذکور)

گویا سورج کے طلوع اور غروب ہونے کے دونوں اوقات' سورج کے پجاریوں کے

اوقاتِ عبادت ہیں' ان اوقات میں نبی ﷺ نے مسلمانوں کو نماز پڑھنے سے منع فرما دیا' حالانکہ مسلمان تو نماز صرف اللہ کے لیے پڑھتے ہیں۔ لیکن چونکہ ان اوقات میں نماز پڑھنے میں سورج کے پجاریوں کے ساتھ مشابہت ہے' اس لیے ان اوقات میں مسلمانوں کو نماز پڑھنے ہی سے روک دیا گیا۔

اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ مسلمانوں کو شرک سے بچانے کے لیے کتنے دور دور تک بند باندھے گئے ہیں۔ لیکن نام کے مسلمانوں نے مذکورہ تعلیمات و ہدایات کا کیا حشر کیا؟ وہ بھی ملاحظہ فرمالیں۔

مذکورہ تعلیمات کے مقابلے میں فاسد العقیدہ لوگوں کا طرزِ عمل: [1] رسول اللہ ﷺ نے اپنی شان میں حد سے زیادہ غلو اور عیسائیوں کی طرح افراطِ محبت سے روکا۔ لیکن فاسد العقیدہ لوگوں نے ایک تو عیسائیوں کے عقیدے' مسیح ابن اللہ کے مقابلے میں نورٌ من نورِ اللہ کا عقیدہ گھڑ لیا اور اس کے اثبات کے لیے ایک حدیث بھی گھڑ لی جو حدیث جابر کے نام سے مشہور ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے اپنے نور میں سے نبی ﷺ کا نور پیدا کیا اور پھر اس نور سے عرش و قلم اور کائنات کی ہر چیز پیدا کی (نعوذ باللہ من ذٰلک) حالانکہ کسی حدیث کی کتاب میں یہ حدیث نہیں ہے۔ علاوہ ازیں ذیل کے اشعار سے بھی ان کا فسادِ عقیدہ اور غلو محبت واضح ہے' ذرا سینے پر ہاتھ رکھ کر ملاحظہ فرمایئے!

وہی جو مستویٔ عرش تھا خدا ہو کر — اتر پڑا ہے مدینہ میں مصطفیٰ ہو کر
شریعت کا ڈر ہے نہیں صاف کہہ دوں — حبیب خدا خود خدا بن کے آیا
ہمارا نبی تو بشر ہی نہیں — خدا ہے' تجھے کیا خبر ہی نہیں
مقام اس نبی کا عرش بریں ہے — خدا نہ کہے جو' وہ کافر لعیں ہے
کیا فرق ہے عزیز و حضرت میں اور خدا میں — وہ بھی اللہ ہے یارو' یہ بھی اللہ ہے یارو

اور یہ غلو صرف نبی کریم ﷺ ہی کے بارے میں نہیں کیا گیا' بلکہ اس سے بڑھ کر بہت سے فوت شدہ بزرگوں کے بارے میں بھی کیا گیا ہے۔ یہ بھی ملاحظہ ہوں۔ شیخ عبدالقادر جیلانی کے بارے میں کہا گیا۔

اول محی الدین آخر محی الدین ظاہر محی الدین باطن محی الدین
أنت شافی أنت کافی فی مہمات الامور أنت حسبی أنت ربی أنت لی نعم الوکیل
یا غوث اعظم بہر خدا سن عرض میں بدکاردی تدھ باجھ میرا کون ہے لے سار جو بیمار دی
المدد یا غوث اعظم المدد یا دست گیر تیری نگاہ درکار رہے پیرانِ پیر

صدر الدین سجادہ نشین ملتان کے بارے میں۔

برائے چشم بینا از مدینہ برسر ملتان بہ شکل صدر الدین خود رحمۃ للعالمین آمد

خواجہ غلام فرید مٹھن کوٹ کے فرزند نازک کے بارے میں:

طالب خدا گواہ کہ نازک بہ چشم من عین محمد است کہ عربی شنیدہ

اور خود خواجہ غلام فرید کے بارے میں چند اشعار ملاحظہ ہوں:

میری لاکھ جانیں قربان اس پر جو یثرب سے چاچڑ نشیں بن کے آیا
چاچڑ وانگ مدینہ دسے کوٹ مٹھن بیت اللہ ظاہر دے وچ پیر فریدن باطن دے وچ اللہ
جو مشتاق نظارہ ہو' میرے خواجہ کو آ دیکھے عیاں نشانِ خدائی ہے' فقط پردہ ہے انسان کا

ایک اور صاحب اپنے پیرو مرشد کے بارے میں کہتے ہیں۔

اٹھا پھر درد سینے میں مگر اس کی دوا تم ہو نہ ہوتا ڈر قیامت کا تو کہہ دیتا خدا تم ہو

یہ سب اشعار ہم نے مولانا محمد رفیق خاں پسروری رحمہ اللہ کی کتاب "حمایت توحید" (مطبوعہ ۱۹۷۰ء) سے نقل کیے ہیں۔

ان اشعار سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ وہ غلو جس سے پچھلی قومیں گمراہ ہوئیں اور ان کے اندر توحید کی جگہ شرک آیا' کیا وہ غلو اس امت کے اندر نہیں آیا اور وہی مشرکانہ خیالات و عقائد ان کے اندر بھی پیدا نہیں ہوئے؟

2 نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قبروں کو پختہ کرنے سے منع فرمایا۔ لیکن مذکورہ قسم کے لوگوں نے نہ صرف قبروں کو پختہ کیا' بلکہ ان پر شاندار عمارتیں اور قبے تعمیر کیے۔

3 رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبروں کی طرف رخ کر کے نماز پڑھنے سے اور انہیں سجدہ گاہ بنانے سے روکا اور ایسے لوگوں پر لعنت فرمائی۔ لیکن ان لوگوں نے قبروں کو سجدہ گاہ بنا کر

چھوڑا۔ چنانچہ لوگ وہاں سجدے بھی کرتے ہیں' قبروں پر دست بستہ قیام بھی کرتے ہیں' قبروں کا طواف بھی کرتے ہیں' قبر میں مدفون شخص سے امید و استغاثہ بھی کرتے ہیں' خانہ کعبہ کی طرح قبروں کو عرق گلاب سے دھوتے اور اس کی دھوون کو اکسیر اور مقدس جانتے ہیں' قبروں پر غلاف چڑھاتے اور ان کے نام کی نذر و نیاز دیتے ہیں۔ حالانکہ یہ سب کام عبادات ہیں۔

4 قبروں کو عید (یعنی میلے ٹھیلے کی جگہ) بنانے سے نبی ﷺ نے روکا' لیکن لوگ قبروں پر عرس کے نام سے سالانہ میلے لگاتے ہیں' جہاں شرک و بدعت کی گرم بازاری بھی ہوتی ہے اور حیا باختگی اور فحاشی کی بھی۔

5 ان عرسوں پر لوگ دور دراز سے شد رحال کر کے آتے ہیں اور ان میں شرکت کو اجر و ثواب اور تقرب کا باعث سمجھتے ہیں' حالانکہ نبی ﷺ نے مسجد حرام' مسجد نبوی اور مسجد اقصیٰ کے علاوہ کسی اور جگہ بغرض تقرب' شد رحال (سفر اختیار کرنے) سے منع فرمایا ہے۔

6 کئی جگہ ان قبروں کا طواف تک کیا جاتا ہے اور کئی جگہ ان قبروں پر اجتماع کو حج کے برابر سمجھا جاتا ہے۔

7 نبی ﷺ نے قبروں پر کتبہ (نام لکھ کر) لگانے سے منع فرمایا ہے' لیکن لوگ ان قبروں پر نہ صرف ناموں کے بڑے بڑے بورڈ لگاتے ہیں بلکہ ان میں ان کی تعریفوں میں زمین و آسمان کے قلابے ملائے جاتے ہیں جو اطراء (بے حد مدحت و تعریف) میں آتے ہیں جس کی نبی ﷺ نے ممانعت فرمائی ہے۔

8 ان قبروں پر نذر و نیاز کا بھی ایک وسیع سلسلہ ہوتا ہے اور اس کا مقصد ان فوت شدہ لوگوں کی خوشنودی حاصل کرنا اور اپنی حاجات ان سے پوری کروانا ہوتا ہے۔ حالانکہ یہ بھی ایسی عبادت ہے جو صرف ایک اللہ کا حق ہے۔ اسی لیے اللہ کے سوا کسی کے نام کی نذر و نیاز دینا جائز نہیں۔

9 ان قبروں پر چراغ جلانے کو بڑی سعادت سمجھا جاتا ہے' حالانکہ نبی ﷺ نے ایسے

لوگوں پر بھی لعنت فرمائی ہے۔

الغرض ان قبروں پر تمام مذکورہ کاموں کے ذریعے سے‘ جن سے نبی ﷺ نے روکا تھا‘ لات و منات کا کاروبار فروغ پذیر ہے۔ اقبال نے سچ کہا تھا ؎

اگرچہ پیر ہے آدم‘ جواں ہیں لات و منات

مذکورہ امور کو دیکھتے ہوئے کیا یہ کہنا صحیح ہے کہ یہ امت‘ شرکیہ عقائد و اعمال سے پاک ہے؟ یا مذکورہ امور مشرکانہ نہیں ہیں؟ آخر ان میں سے کون سی بات صحیح ہے؟ دونوں ہی باتیں صحیح نہیں ہیں۔

واقعہ یہ ہے کہ نبی ﷺ نے اپنی امت کو شرک سے بچانے کے لیے جو احتیاطی تدابیر بیان فرمائی تھیں اور جو جو بند تعمیر کئے تھے۔ اس امت نے ان تدابیر کو کوئی اہمیت دی ہے نہ ان بندوں ہی کی حفاظت کی ہے۔ بلکہ ان سب احتیاطی تدابیر کی خلاف ورزی کر کے اور سب حفاظتی بندوں کو توڑ کر نبی ﷺ کی اس پیش گوئی کو پورا کر دیا ہے:

«لَتَتَّبِعُنَّ سَنَنَ مَنْ قَبْلَكُمْ شِبْرًا بِشِبْرٍ وَّذِرَاعًا بِذِرَاعٍ حَتّٰى لَوْ سَلَكُوْا جُحْرَ ضَبٍّ لَّسَلَكْتُمُوْهُ، قُلْنَا: يَارَسُوْلَ اللهِ! اَلْيَهُوْدَ وَالنَّصَارٰى؟ قَالَ النَّبِيُّ ﷺ فَمَنْ؟» (صحيح البخاري، أحاديث الأنبياء، ما ذكر عن بني إسرائيل، ح:٣٤٥٦)

”تم ضرور پچھلے لوگوں کی قدم بہ قدم پیروی کرو گے‘ حتی کہ وہ اگر سانڈے کے بل میں داخل ہوئے ہوں گے تو تم بھی ضرور اس میں داخل ہو گے۔ ہم (صحابہ) نے کہا: اللہ کے رسول! پچھلے لوگوں سے آپ کی مراد‘ یہود و نصاریٰ ہیں؟ آپ نے فرمایا: اور کون؟ (یعنی یہود و نصاریٰ ہی مراد ہیں۔)“

❀ ❀ ❀

مافوق الاسباب اور ماتحت الاسباب مدد مانگنے کا مطلب

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«إِذَا سَأَلْتَ فَاسْأَلِ اللهَ وَإِذَا اسْتَعَنْتَ فَاسْتَعِنْ بِاللهِ»(جامع الترمذي، صفة القيامة، باب حديث حنظلة، ح:٢٥١٦)

"جب تو سوال کرے تو اللہ سے سوال کر اور جب مدد مانگے تو اللہ سے مدد مانگ۔"

یعنی انسان کو جب ایسی کسی چیز کی حاجت ہو جو ظاہری اسباب سے پوری ہونے والی نہ ہو یا اس کی دسترس میں نہ ہو تو انسان وہ چیز صرف اللہ سے مانگے، اسی سے دعا و التجا کرے۔ اس لئے کہ مافوق الاسباب طریقے سے دعاؤں کا سننے والا اور اسباب کے بغیر کسی کی حاجت پوری کرنے والا صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے، اس کے سوا کسی کے اندر یہ قوت و طاقت نہیں ہے۔ اسباب کے ماتحت تو انسان ایک دوسرے کی مدد کرنے کی طاقت رکھتے ہیں، اس لئے اسباب کی حد تک ان سے سوال کرنا بھی جائز ہے جیسے کسی زندہ انسان سے ایک شخص کوئی چیز مانگے، تو وہ سننے پر بھی اور اس کی حاجت پوری کرنے پر بھی قادر ہے، اور اللہ تعالیٰ کا حکم بھی ہے کہ نیکی کے کاموں میں ایک دوسرے کی مدد کرو۔ ﴿ وَتَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى ﴾ (المائدہ:۲) یہی مدد انبیاء علیہم السلام نے بھی اللہ کے بندوں سے مانگی، جیسے حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: ﴿ مَنْ اَنْصَارِیْٓ اِلَى اللّٰهِ ﴾ "اللہ کی طرف لوگوں کو بلانے میں کون میری مدد کرنے والا ہے؟" حواریوں نے کہا، ﴿ نَحْنُ اَنْصَارُ اللّٰهِ ﴾ (آل عمران:۵۲) "ہم اللہ کے مددگار ہیں" (یعنی اللہ کی طرف بلانے میں آپ کی مدد کرنے والے ہیں) نبی کریم ﷺ کی بابت بھی آتا ہے کہ دس سالہ مکی دور میں جب کہ تبلیغ اسلام میں قدم قدم پر رکاوٹیں اور مخالفتیں تھیں، حج کے موسم میں آپ مختلف قبائل عرب پر اسلام پیش کرتے اور ان سے اپنی قوم (قریش) سے بچاؤ کے لئے مدد بھی طلب فرماتے اور یہ استدعاء کرتے کہ کوئی

ایسا ہے جو مجھے پناہ دے اور میری مدد کرے تاکہ میں اپنے رب کا پیغام پہنچا سکوں؟ چنانچہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ وہ بیان فرماتے ہیں:

«مَكَثَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ عَشَرَ سِنِيْنَ يَتْبَعُ النَّاسَ فِيْ مَنَازِلِهِمْ بِعُكَاظِ وَمَجَنَّةَ فِي الْمَوَاسِمِ بِمِنًى يَقُوْلُ مَنْ يُّؤْوِيْنِيْ، مَنْ يَّنْصُرُنِيْ حَتَّى أُبَلِّغَ رِسَالَةَ رَبِّيْ وَلَهُ الْجَنَّةُ» (الفتح الرباني: ٢٠/ ٢٦٩)

"رسول اللہ ﷺ مکے کے دس سالہ دورِ قیام میں موسم حج میں' بمقام منیٰ لوگوں کی قیام گاہوں' عکاظ اور مجنہ میں لوگوں کے پیچھے جاتے اور فرماتے: کون ہے جو مجھے جگہ (پناہ) دے؟ کون ہے جو میری مدد کرے؟ تاکہ میں اپنے رب کا پیغام پہنچا سکوں' اس کے بدلے اس کے لئے جنت ہے۔"

ایک موقعے پر رسول اللہ ﷺ اسی طرح فرما رہے تھے' کون ہے جو مجھے اپنی قوم کے پاس لے جائے کیونکہ قریش مجھے اس بات سے روکتے ہیں کہ میں اپنے رب کا پیغام پہنچاؤں؟ تو ہمدان قبیلے کا ایک شخص آپ کے پاس آیا' آپ نے اس سے پوچھا' «هَلْ عِنْدَ قَوْمِكَ مِنْ مَّنَعَةٍ» کیا تیری قوم کے اندر حفاظت و نگرانی کرنے والے لوگ ہیں؟ (الفتح الربانی: ۲۰/۲۶۷) بیعت عقبہ ثانیہ' جس میں ۷۲ آدمیوں نے رسول اللہ ﷺ کے دست مبارک پر بیعت کی تھی' اس بیعت میں دیگر باتوں کے ساتھ ایک عہد یہ تھا:

«وَعَلَى أَنْ تَنْصُرُوْنِيْ فَتَمْنَعُوْنِيْ إِذَا قَدِمْتُ عَلَيْكُمْ مَّا تَمْنَعُوْنَ مِنْهُ أَنْفُسَكُمْ وَأَزْوَاجَكُمْ وَأَبْنَاءَ كُمْ» (الفتح الرباني: ٢٠/ ٢٧٠)

"اور یہ کہ جب میں تمہارے پاس آؤں گا تم میری مدد کرو گے اور میری طرف سے اسی طرح مدافعت کرو گے' جیسے تم اپنی جانوں' اپنی بیویوں اور اپنے بیٹوں کی طرف سے مدافعت کرتے ہو۔"

اس تفصیل سے مقصد اس پہلو کی وضاحت کرنا ہے کہ انبیاء علیہم السلام سمیت تمام انسان ظاہری اسباب کی حد تک ایک دوسرے کے محتاج ہیں اور ایک دوسرے کے تعاون کے بغیر زندگی گزار ہی نہیں سکتے۔ اس لئے اسباب کے ماتحت ایک دوسرے سے سوال کرنا' ایک

دوسرے سے مدد مانگنا اور چیز ہے اور ماورائے اسباب طریقے سے سوال کرنا اور مدد مانگنا اور چیز ہے۔

پہلی صورت نہ صرف جائز ہے بلکہ ناگزیر ہے' جب کہ دوسری صورت صرف اللہ کے ساتھ خاص ہے' کیونکہ کوئی انسان بھی ماورائے اسباب طریقے سے نہ کسی کی بات سن سکتا ہے اور نہ مدد کر سکتا ہے۔ یہ صفات صرف اللہ کے اندر ہیں' اللہ کے سوا کوئی ان صفات کا حامل نہیں' حدیث مذکور الصدر میں پہلی صورت کا نہیں' بلکہ دوسری صورت کا ذکر ہے۔ یعنی ماورائے اسباب طریق سے سوال کرنا ہو تو صرف اللہ سے کرو' مدد مانگنی ہو تو صرف اللہ سے مانگو' کیونکہ دور اور نزدیک سے ہر ایک کی فریاد وہی سن سکتا ہے اور وہی ہر ایک کی مدد کر سکتا ہے' فوت شدہ افراد کسی کی فریاد سن سکتے ہیں نہ مدد کر سکتے ہیں۔

لَآ اِلٰهَ اِلاَّ اللّٰهُ کا مطلب

لَآ اِلٰهَ اِلاَّ اللّٰهُ کے معنی و مفہوم پر گزشتہ صفحات میں قدرے تفصیل سے گفتگو ہو چکی ہے۔ ذیل کے مضمون میں بھی اسی نکتے پر بحث ہے' لیکن یہ کئی سال قبل کا تحریر کردہ ہے اور مختصر ہے۔ اس لیے تکرار کے باوجود قند مکرر کے طور پر اسے بھی شامل کیا جا رہا ہے۔

لَآ اِلٰهَ اِلاَّ اللّٰهُ' یعنی اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ کلمہ توحید ہے' اس میں توحید الوہیت کا اقرار ہے' جس کا انکار ہر دور کے مشرکین کا شیوہ رہا ہے۔ مشرکین یہ تو مانتے آئے ہیں اور مشرکین مکہ بھی مانتے تھے کہ زمین و آسمان کا پیدا کرنے والا' سب کو روزی عطا کرنے والا ہے۔ کائنات کی تنظیم و تدبیر کرنے والا وہی رب ہے جو آسمانوں میں ہے۔ اسے توحید ربوبیت کہتے ہیں' اس توحید ربوبیت کو سب تسلیم کرتے ہیں' لیکن توحید الوہیت سے وہ انکار کرتے تھے' حالانکہ توحید الوہیت' توحید ربوبیت کا لازمی اور منطقی نتیجہ ہے' جب آسمان و زمین کا خالق' مالک' سب کا رازق اور کائنات کا مدبر صرف ایک اللہ ہے' اس میں اس کا کوئی شریک نہیں ہے' تو پھر عبادت کا مستحق بھی صرف وہی ایک ہے' اس میں دوسرے کی شرکت کو وہ کیونکر برداشت کر سکتا ہے؟ لیکن مشرکین توحید الوہیت کو نہیں مانتے۔ وہ اللہ کی عبادت کے ساتھ دوسروں کی بھی عبادت کرتے ہیں۔

عبادت کے معنی ہیں' کسی صاحب قدرت ہستی کے سامنے انتہائی تذلل اور عاجزی کا اظہار کرنا۔ اس کی مختلف صورتیں ہیں' اس کی بارگاہ اقدس میں سربہ سجود ہونا' اس کے سامنے تعظیماً کھڑا ہونا' اس کے لئے رکوع کرنا' اس کے لئے طواف کرنا' اس کے نام کی نذر و نیاز دینا' اس کی خوشنودی کے لئے جانور ذبح کرنا' اس سے مافوق الاسباب طریقے سے امیدیں وابستہ کرنا اور ڈرنا' اس کے لئے نماز پڑھنا' روزے رکھنا' اس سے دعائیں اور التجائیں کرنا۔ یہ سب عبادت کی قسمیں ہیں اور کلمہ توحید کے اقرار کا تقاضا یہ ہے کہ ان

میں سے کوئی کام بھی اللہ کے سوا کسی کے لئے نہ کیا جائے' ورنہ عبادت میں شرک لازم آئے گا۔

بدقسمتی سے بہت سے پیدائشی مسلمان' جنہیں دین کا صحیح شعور اور توحید کے حقیقی مفہوم کا علم نہیں' وہ صرف سجدہ کرنے کو شرک سمجھتے ہیں' اس لئے وہ غیراللہ کو سجدہ تو نہیں کرتے (اور بعض جاہل تو سجدہ بھی کر لیتے ہیں) لیکن دوسرے سارے کام وہ غیراللہ کے لئے کر لیتے ہیں اور سمجھتے یہ ہیں کہ ہم تو مسلمان ہیں ہم مشرک کس طرح ہو سکتے ہیں؟ چنانچہ وہ غیراللہ کے نام کی نذر و نیاز بھی دیتے ہیں' بزرگوں کی خوشنودی کے لئے جانور بھی ذبح کرتے ہیں اور دیگیں بھی تقسیم کرتے ہیں' ان کی قبروں کے گرد طواف بھی کرتے ہیں' عاجزی و ذلت کے اظہار کے لئے ان کی قبروں پر تعظیماً صف بستہ کھڑے بھی ہوتے ہیں۔ ان سے دعائیں اور التجائیں بھی کرتے ہیں' ان سے امیدیں بھی وابستہ کرتے اور ڈرتے بھی ہیں' قبروں میں مدفون بزرگوں کو حاجت روا اور مشکل کشا سمجھ کر انہیں مدد کے لئے پکارتے بھی ہیں' انہیں نافع' ضار اور عالم الغیب بھی سمجھتے ہیں۔ حالانکہ یہ سب کام عبادات ہیں اور یہ نام نہاد مسلمان انہیں غیراللہ کے لئے بجالا کر شرک کا ارتکاب کرتے ہیں۔ اعاذنا اللہ منھا۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ مسلمان لَاۤ اِلٰهَ اِلاَّ اللّٰهُ ' زبان سے تو پڑھتا ہے لیکن اس کے مفہوم سے قطعاً ناآشنا ہے' اس لئے وہ مشرکین مکہ کی طرح توحید ربوبیت کو تو تسلیم کرتا ہے' لیکن توحید الوہیت کو ماننے کے لئے تیار نہیں۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے مشرکین کو توحید ربوبیت کے ماننے کے باوجود انہیں مشرک قرار دیا۔ کیوں؟ صرف اسی لئے کہ وہ توحید الوہیت کو ماننے کے لئے تیار نہیں ہوئے۔ بنابریں توحید الوہیت کو ماننا نہایت ضروری ہے جو کلمہ توحید لَاۤ اِلٰهَ اِلاَّ اللّٰهُ میں بیان کی گئی ہے۔ اس کے بغیر توحید ربوبیت پر اعتقاد کا کوئی فائدہ نہیں' کیونکہ صرف اس سے توحید کے تقاضے پورے نہیں ہوتے۔

اس کلمہ توحید کی یہی اہمیت ہے جس کی وجہ سے اسے سب سے زیادہ فضیلت والا ذکر قرار دیا گیا ہے۔ اس کی مثل کوئی اور کلمہ نہیں' یہی کفر و اسلام اور شرک و توحید کے

درمیان فرق کرنے والا ہے' یہی کلمہ انسانوں کو اللہ سے جوڑنے والا اور غیروں سے توڑنے والا ہے۔ یہی انسان کے نفس کا سب سے بہتر تزکیہ کرنے والا اور اس کے باطن کی صفائی کرنے والا ہے اور یہی سب سے زیادہ خبث نفس سے پاک کرنے والا اور دل کو شیطان کی آماجگاہ بننے سے بچانے والا ہے۔ کاش مسلمان اس کلمہ توحید و اخلاص کی حقیقت و اہمیت کو سمجھ سکیں اور اپنے عقیدہ و عمل کو اس کے مطابق کر سکیں۔

باب : چہارم

استدلالات اور ان کا جائزہ

﴿ إِيَّاكَ نَعْبُدُ ﴾ میں إِيَّاكَ (مفعول) کے مقدم کرنے میں جو حصر کا مفہوم پیدا ہو گیا ہے' اس سے جہاں اس بات کا اثبات ہوتا ہے کہ اللہ کے سوا کسی اور کی عبادت جائز نہیں۔ وہاں دوسروں کی عبادت کی نفی بھی ہوتی ہے۔ یوں گویا کلمہ شہادت ((لَآ اِلٰهَ اِلاَّ اللّٰهُ)) کے معنی کا تحقق ہو جاتا ہے۔ اس کلمے میں بھی اثبات اور نفی دونوں چیزیں موجود ہیں۔ اللہ کی عبادت کا اثبات اور غیر اللہ کی نفی۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں اکثر مقامات پر ان دونوں باتوں کو ساتھ ساتھ بیان فرمایا ہے۔ مثلاً سورۂ بقرہ کے آغاز میں فرمایا:

﴿ اُعْبُدُوا رَبَّكُمُ ﴾ (البقرة۲/ ۲۱)

"اپنے رب کی عبادت کرو۔"

تو اس کے ساتھ ہی فرمایا:

﴿ فَلَا تَجْعَلُوا لِلَّهِ أَندَادًا ﴾ (البقرة۲/ ۲۲)

"تم اللہ کے شریک نہ ٹھہراؤ۔"

دوسرے مقام پر فرمایا:

﴿ وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِي كُلِّ أُمَّةٍ رَّسُولًا أَنِ اعْبُدُوا اللَّهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوتَ ﴾ (النحل۱٦/ ۳٦)

"ہم نے ہر امت میں ایک رسول بھیجا (جس نے یہ پیغام دیا) کہ اللہ کی عبادت کرو اور طاغوت سے بچو۔"---

"اللہ کی عبادت کرو۔" میں اثبات ہے اور "طاغوت سے بچو" میں غیر اللہ کی نفی ہے۔

ایک اور مقام پر فرمایا:

﴿ فَمَن يَكْفُرْ بِالطَّاغُوتِ وَيُؤْمِن بِاللَّهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقَىٰ ﴾ (البقرة۲/ ۲۵۶)

"جس نے طاغوت کا انکار کیا اور اللہ پر ایمان لایا' اس نے مضبوط کڑا تھام لیا۔"

اس میں بھی طاغوت کا انکار کرنا' نفی ہے اور اللہ پر ایمان لانا' اثبات ہے۔ اس طرح اور بھی متعدد مقامات پر یہی بات بیان کی گئی ہے۔ اس سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اثبات توحید کے ساتھ معبودان باطلہ کی نفی اور ان کی تردید بھی نہایت ضروری ہے۔

اسی لئے گزشتہ صفحات میں ہم نے بعض مغالطوں کی وضاحت بھی کی ہے' تاہم ضروری ہے کہ اس مقام پر اُن دیگر دلائل کا بھی جائزہ پیش کیا جائے جو بعض حلقوں کی طرف سے مشرکانہ عقائد واعمال کے جواز واثبات میں پیش کیے جاتے ہیں۔

علاوہ ازیں شرکیہ عقیدے اور شرکیہ اعمال ومظاہر' اسلامی ممالک میں عام ہیں اور علماء ومشائخ کے ایک بہت بڑے طبقے کے دنیوی مفادات چونکہ ان سے وابستہ ہیں' اس لیے علماء کا یہ طبقہ کسی نہ کسی طریقے سے ان کو سندِ جواز دینے پر تلا رہتا ہے اور اس کے لئے وہ عجیب عجیب دلائل اور بے سروپا روایات وحکایات سے استدلال کرتا ہے اس لئے ضروری ہے کہ ان دلائل کی حقیقت واضح کی جائے تاکہ توحید کے اس مسئلے میں' جس کو قرآن کریم نے نہایت شرح وبسط سے بیان کیا ہے اور اسے تمام انبیاء کی بعثت کا مقصد وحید بتلایا ہے' کوئی ابہام یا اشکال باقی نہ رہے۔

﴿ لِيَهْلِكَ مَنْ هَلَكَ عَنْ بَيِّنَةٍ وَيَحْيَىٰ مَنْ حَيَّ عَنْ بَيِّنَةٍ ﴾

(الأنفال۸/ ٤٢)

"تاکہ جو مرے بصیرت پر (یعنی یقین جان کر) مرے اور جو جیتا رہے' وہ بھی بصیرت پر (یعنی حق پہچان کر) جیتا رہے۔"

① کیا بزرگانِ دین کو مدد کے لئے پکارنا شرک نہیں ہے؟

ایک دعویٰ یہ کیا جاتا ہے کہ "اللہ تعالیٰ کو فاعلِ حقیقی تسلیم کرتے ہوئے بزرگانِ دین کو وسیلۂ امداد اور مظہرِ اعانتِ الٰہی قرار دیتے ہوئے ان سے استغاثہ کرنا اور ان کو امداد کے لئے پکارنا جائز ہے۔ یہ پکارنا شرک نہیں ہے البتہ ان کی عبادت وپرستش کرنا شرک ہے۔"

بلاشبہ مطلقاً پکارنا شرک نہیں ہے' ہم اپنے بچے کو پکار کر بلاتے ہیں' کسی دوست کو آواز دیتے ہیں اور کسی کو زور سے ندا دیتے ہیں۔ یہ شرک نہیں ہے اور نہ یہ پکارنا مابہ النزاع ہے۔ مابہ النزاع پکارنا (جو شرک کی ایک صورت ہے) وہ ہے جو لوگ مردہ (قبروں میں مدفون) لوگوں کو مافوق الاسباب طریق سے پکارتے ہیں۔ جیسے: یا شیخ عبد القادر! شیئًا للّٰہ' یارسول اللّٰہ! اَغِثْنَا' یا علی مدد وغیرہ۔ یہ پکارنا شرک ہی کے ذیل میں آتا ہے کیوں کہ پکارنے والا ان کی بابت یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ ہزاروں میل کے فاصلے کے باوجود یہ فوت شدہ بزرگ میری آواز کو سنتا ہے' میرے حالات سے باخبر ہے۔ وہ حاضروناظر ہے اور کائنات میں تصرّف کرنے کا اختیار رکھتا ہے اسی لئے یہ شخص اس بزرگ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے اس کے نام کی نذر دیتا ہے۔ اس کے نام پر جانور قربان کرتا ہے' اس کی قبر پر غلاف چڑھاتا ہے اور اس کی ناراضی سے ڈرتا ہے۔ اس کا اعتقاد ہوتا ہے کہ اگر میں نے گیارہویں نہ دی (یعنی اس بزرگ کے نام کی نیاز نہ دی) تو وہ مجھ سے ناراض ہو جائیں گے' میرے کاروبار کو نقصان پہنچائیں گے۔ حالانکہ عالم الغیب' نافع وضارّ' حاضروناظر اور متصرف فی الامور' صرف اللہ کی ذات ہے اور یہ تمام صفات اللہ کے لئے خاص ہیں' جن میں اس کا کوئی شریک نہیں لیکن یا علی مدد' یا شیخ عبد القادر! شیئًا للّٰہ وغیرہ پکارنے والا یہ تمام صفاتِ خداوندی اس مُردہ بزرگ میں تسلیم کرتا ہے اور اس بزرگ کو اُن اُلوہی صفات میں شریک مانتا ہے۔

اس عقیدے کے ساتھ کسی بھی مُردہ شخص کو پکارنا' یہی اس کی عبادت وپرستش ہے۔ اسی کو قرآن نے ﴿ يَدْعُوْنَ ﴾ کے لفظ سے تعبیر کیا ہے جس کے معنی سب کے نزدیک

"عبادت و پوجا" کرنے کے ہیں۔ یہ حضرات' عوام کو باور کراتے ہیں کہ ہم تو بزرگوں کو صرف پکارتے ہیں' ان کی عبادت و پرستش نہیں کرتے حالانکہ اس طرح مافوق الاسباب طریقے سے کسی کو پکارنا' یہی اس کی عبادت ہے۔ اسی لئے دُعا "پکارنا" بھی بلا اختلاف عبادت ہی سمجھی جاتی ہے۔ نبی ﷺ کا فرمان ہے:

«اَلدُّعَاءُ هُوَ الْعِبَادَةُ»(جامع الترمذي، الدعوات، باب منه "الدعاء مخ العبادة" ح: ٣٣٧٢)

"پکارنا (دعا کرنا) عبادت ہی ہے۔"

بلکہ دوسری حدیث میں فرمایا:

«اَلدُّعَاءُ مُخُّ الْعِبَادَةِ»(جامع الترمذي، الدعوات، باب منه "الدعاء مخ العبادة" ح: ٣٣٧١)

"دُعا (پکارنا) عبادت کا مغز ہے۔"

اور قرآن کریم نے بھی دُعا کو عبادت ہی کہا ہے' فرمایا:

﴿وَقَالَ رَبُّكُمُ ادْعُونِي أَسْتَجِبْ لَكُمْ إِنَّ الَّذِينَ يَسْتَكْبِرُونَ عَنْ عِبَادَتِي سَيَدْخُلُونَ جَهَنَّمَ دَاخِرِينَ ﴿٦٠﴾﴾ (المؤمن٤٠/ ٦٠)

"اور تمہارے رب نے فرمایا: "مجھے پکارو! میں تمہاری پکار کو قبول کروں گا' بلاشبہ جو لوگ میری عبادت (یعنی مجھے پکارنے اور مجھ سے دعائیں کرنے) سے انکار کرتے ہیں' عنقریب وہ جہنم میں ذلیل و خوار ہو کر داخل ہوں گے۔"

یہاں ﴿ يَسْتَكْبِرُونَ عَنْ دَعْوَتِي ﴾ کی جگہ اللہ تعالیٰ نے ﴿ عِبَادَتِي ﴾ کے الفاظ استعمال فرمائے اور قرآن مجید کا یہ سیاق صاف بتلا رہا ہے کہ مافوق الاسباب طریق سے کسی کو پکارنا اور حاجت روا و مشکل کشا سمجھ کر اس سے دُعا کرنا اس کی عبادت ہی ہے۔ اِس لئے مُردہ بزرگوں کو مدد کے لئے پکارنا اور ان سے استغاثہ کرنا اور یا شیخ عبد القادر! شیئًا للّٰہ' یا علی مدد وغیرہ کہنا ان کی عبادت و پرستش ہی ہے۔ قیامت کے دن یہ بزرگ اپنی اس عبادت و پرستش کا بالکل انکار کر دیں گے اور بارگاہ الٰہی میں عرض کریں گے کہ مولائے کریم

ہم تو ان کی عبادت اور پوجا سے جو یہ (دُعا واستغاثہ کی صورت میں) ہماری کرتے تھے' بالکل بے خبر تھے:

﴿ إِن كُنَّا عَنْ عِبَادَتِكُمْ لَغَـٰفِلِينَ ﴿٢٩﴾ ﴾ (یونس ۱۰/ ۲۹)

یہاں بھی فوت شدہ بزرگوں سے دُعا کو ان کی عبادت ہی کہا گیا ہے جس سے وہ روزِ قیامت انکار کریں گے اور کہیں گے کہ ہمیں تو ان کی عبادت (دُعا وپکار) کا کوئی علم ہی نہیں۔ بہرحال کسی شخص کو حاجت روا اور مشکل کشا سمجھ کر مافوق الاسباب طریق سے اسے پکارنا' اس سے استمداد کرنا اور اس سے دعائیں کرنا یہ اس کی عبادت ہی ہے۔ اسے اگر مگر اور چونکہ چنانچہ سے جائز قرار دینا مغالطہ انگیزی ہے ؎

دیتے ہیں دھوکہ یہ بازی گر کھلا

⑦ صحابہ و تابعین نے کسی بھی فوت شُدہ کو کبھی نہیں پُکارا

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ:

"صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے لے کر اب تک مسلمانوں کا اس پر اجماع واتفاق رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے مؤثر حقیقی وفاعل حقیقی ہونے کا اعتقاد کرتے ہوئے فوت شدہ بزرگانِ دین کو بطورِ وسیلہ پکارنا' ان سے استغاثہ کرنا اور ان کو امداد کے لئے پکارنا جائز ہے۔"

یہ دعویٰ' صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور اُمتِ مسلمہ پر بُہت بڑا افترا اور بہتانِ عظیم ہے ((سُبْحَانَكَ هٰذَا بُهْتَانٌ عَظِيمٌ))۔ اس دعوے کے اثبات میں صحابۂ کرام کے دور کی کوئی دلیل پیش نہیں کی جا سکتی' تابعین وتبع تابعین کا کوئی عمل پیش نہیں کیا جا سکتا' حتی کہ امام ابو حنیفہ کا کوئی قول یا فقہ حنفی کی مشہور اور متداول کسی کتاب کا حوالہ نہیں دیا جا سکتا جب ایسا ہے تو اس پر اجماع واتفاق کا دعویٰ کیسا؟

امر واقع یہ ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم' ائمہ عظام رحمۃ اللہ علیہم اور فقہائے احناف میں سے کسی نے بھی کسی مردہ کو امداد کے لئے نہیں پکارا اور کبھی ان سے استغاثہ نہیں کیا کیونکہ ان کا عقیدہ یہی تھا کہ مرنے کے بعد کوئی مردہ کسی کی فریاد نہیں سُن سکتا جس کی صراحت قرآن

نے کی ہے:

﴿ وَمَآ أَنتَ بِمُسْمِعٍ مَّن فِي ٱلْقُبُورِ ۝٢٢ ﴾ (الفاطر ٣٥/ ٢٢)

"(اے پیغمبر!) تو قبروں والوں کو کوئی بات نہیں سنا سکتا۔"

③ فوت شدگان سے استغاثہ کرنا اور ان کا وسیلہ پکڑنا جائز نہیں

اس کے دلائل سنئے: صحیح بخاری میں ہے:

«عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ أَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ كَانَ إِذَا قُحِطُوا اسْتَسْقٰى بِالْعَبَّاسِ بْنِ عَبْدِالْمُطَّلِبِ فَقَالَ: اَللّٰهُمَّ إِنَّا كُنَّا نَتَوَسَّلُ إِلَيْكَ بِنَبِيِّنَا ﷺ فَتَسْقِيْنَا، وَإِنَّا نَتَوَسَّلُ إِلَيْكَ بِعَمِّ نَبِيِّنَا فَاسْقِنَا قَالَ: فَيُسْقَوْنَ»(صحيح البخاري الاستسقاء، باب سؤال الناس الإمام الاستسقاء إذا قحطوا، ح: ١٠١٠)

"حضرت انس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں جب بھی قحط سالی ہوتی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ' حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے بارش کی دُعا کرواتے اور فرماتے: "اے اللہ! پہلے ہم تیرے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) سے (جب وہ زندہ ہم میں موجود تھے) بارش کے لئے دُعا کرواتے تو تو ہمیں بارانِ رحمت سے سیراب فرماتا۔ اب (جبکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہم میں موجود نہیں ہیں) تیرے نبی کے چچا کو ہم تیری بارگاہ میں بطورِ وسیلہ (یعنی دُعا کے لئے) پیش کر کے دُعا کر رہے ہیں۔ یا اللہ! اس دُعا کو قبول فرما' ہم پر بارش کا نزول فرما۔ (راوی کہتا ہے کہ) اس پر بارش ہو جاتی۔"

اور فتح الباری میں حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی دُعا کے یہ الفاظ منقول ہیں:

«اَللّٰهُمَّ إِنَّهُ لَمْ يَنْزِلْ بَلَاءٌ إِلاَّ بِذَنْبٍ وَّلَمْ يُكْشَفْ إِلاَّ بِتَوْبَةٍ وَّقَدْ تَوَجَّهَ الْقَوْمُ بِيْ إِلَيْكَ لِمَكَانِيْ مِنْ نَّبِيِّكَ وَهٰذِهِ أَيْدِيْنَا إِلَيْكَ بِالذُّنُوْبِ وَنَوَاصِيْنَا إِلَيْكَ بِالتَّوْبَةِ فَاسْقِنَا الْغَيْثَ»

"یا اللہ! بلاؤں کا نزول گناہوں کی وجہ سے ہی ہوتا ہے اور توبہ کے ذریعہ سے وہ دور ہو

جاتی ہیں۔ یا اللہ! تیرے نبی کے ساتھ مجھ کو قریبی تعلق اور نسبت کی وجہ سے جو عزت ومقام حاصل ہے۔ اس کے پیشِ نظر انہوں نے مجھے تیری بارگاہ میں ذریعہ بنایا ہے (یعنی دُعا کے لئے لائے ہیں) یا اللہ! یہ گناہ آلود ہاتھ تیری طرف پھیلے ہوئے ہیں اور ہماری پیشانیاں توبہ کے لئے تیری طرف جھکی ہوئی ہیں' یا اللہ ہم پر بارش نازل فرما۔"

روایت کے الفاظ ہیں:

«فَأَرْخَتِ السَّمَآءُ مِثْلَ الْجِبَالِ حَتَّى أَخْصَبَتِ الأَرْضُ وَعَاشَ النَّاسُ»(فتح الباري، باب مذكور: ٢/ ٦٤١)

"اس دُعا کے بعد آسمان نے پہاڑوں جیسے دھانے کھول دیئے۔ زمین خوب شاداب ہو گئی اور لوگوں میں زندگی کی لہر دوڑ گئی۔"

اس واقعے سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا طرزِ عمل واضح ہو جاتا ہے کہ انہوں نے کسی مُردہ شخص سے دُعا نہیں کرائی حتی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے استغاثہ نہیں کیا۔ انہیں مدد کے لئے نہیں پکارا اور ان کا واسطہ دے کر دُعا نہیں مانگی بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بجائے آپ کے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے درخواست کی کہ وہ اللہ تعالیٰ سے دُعا کریں۔ استسقاء کی دُعا اور نماز مجمع عام میں ہوتی ہے تو گویا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا عام فعل یہی رہا قرار پایا۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد آپ تک سے دُعا کرانی جائز نہیں تو آپ سے زیادہ صاحبِ فضیلت کون ہے کہ جس سے اَب دُعا کرائی جائے؟

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دَور کا ایک اور واقعہ ہے' جسے مُلا علی قاری حنفی نے مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں دسویں صدی ہجری کے شافعی فقیہ ابن حجر مکی ہیتمی کے حوالے سے نقل کیا ہے:

«قَالَ ابْنُ حَجَرٍ: وَاسْتَسْقٰى مُعَاوِيَةُ بِيَزِيْدَ بْنِ الأَسْوَدِ فَقَالَ: اَللّٰهُمَّ إِنَّا نَسْتَسْقِيْ بِخَيْرِنَا وَأَفْضَلِنَا اَللّٰهُمَّ إِنَّا نَسْتَسْقِيْ بِيَزِيْدَ بْنِ الأَسْوَدِ يَايَزِيْدُ: اِرْفَعْ يَدَيْكَ إِلَى اللهِ فَرَفَعَ يَدَيْهِ وَرَفَعَ النَّاسُ أَيْدِيَهُمْ فَثَارَتْ سَحَابَةٌ مِّنَ الْمَغْرِبِ كَأَنَّهَا تُرْسٌ وَّهَبَّتْ رِيْحٌ فَسُقُوْا حَتَّى كَادَ النَّاسُ لاَ يَبْلُغُوْنَ مَنَازِلَهُمْ»(مرقاة: ٢/ ٢٨٨ طبع قديم)

"ابن حجر (مکی) کہتے ہیں کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے یزید بن اسود رضی اللہ عنہ کو ساتھ لے کر بارش کیلئے دُعاء کرائی اور فرمایا: "اے اللہ! ہم میں جو بہتر اور افضل ہے اس کے ذریعے سے ہم تیری بارگاہ میں بارش کی دُعا کرتے ہیں۔ اے اللہ! ہم یزید بن اسود رضی اللہ عنہ کو ساتھ لائے ہیں اور استسقاء کر رہے ہیں۔ (پھر معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا) اے یزید! بارگاہِ الٰہی میں دُعا کیلئے ہاتھ اٹھایئے انہوں نے دعا کیلئے ہاتھ اٹھائے اور لوگوں نے بھی ہاتھ اٹھائے پس مغرب کی طرف سے ڈھال کی طرح ایک گھٹا اُٹھی اور ہوا چلی اور ان کیلئے بارش کا اس طرح نزول ہوا کہ قریب تھا کہ لوگ اپنے گھروں کو نہ پہنچ سکیں۔"

اس واقعے سے بھی معلوم ہوا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا عمل 'زندہ سے دُعا کرانے کا تو تھا لیکن فوت شدہ سے دُعا کرانے کا ان کے ہاں کوئی تصور نہ تھا۔ چنانچہ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے بارش کے لئے دُعا کرانے کی حدیث ذکر کر کے فرماتے ہیں:

"ازیں جا ثابت شد کہ توسّل بہ گزشتگان وغائبان جائز نہ داشتند وگرنہ عباس رضی اللہ عنہ از سرورِ عالم بہتر نہ بود چرا نہ گفت کہ توسّل می کردیم بہ پیغمبرؐ تو والحال توسل کنیم بہ رُوحِ پیغمبر تو۔" (البلاغ المبین:١٦، طبع لاہور) یعنی "اس واقعے سے معلوم ہوا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم گزرے ہوئے (فوت شدگان) اور غائب لوگوں کو وسیلہ پکڑنا جائز نہیں سمجھتے تھے ورنہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بہتر نہ تھے (اگر فوت شدہ سے دُعا کرنا جائز ہوتا) تو انہوں نے کیوں نہ کہا کہ یااللہ! پہلے ہم تیرے نبی کے ساتھ وسیلہ پکڑتے تھے، اب ہم تیرے نبی کی روح کے ساتھ وسیلہ پکڑتے ہیں۔"

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا ایک واقعہ: یہ تو واقعات ہوئے عہد صحابہ و تابعین کے، اب خاص امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا ایک واقعہ ملاحظہ ہو جس کو شاہ محمد اسحاق دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے ایک شاگردِ رشید مولانا محمد بشیر الدین قنوجی (متوفیٰ:١٢٩٦ھ) نے فقہ کی ایک کتاب "غرائب فی تحقیق المذاہب" کے حوالہ سے لکھا ہے:

«رَأَى الإِمَامُ أَبُوْحَنِيْفَةَ مَنْ يَأْتِي الْقُبُوْرَ لأَهْلِ الصَّلَاحِ فَيُسَلِّمُ وَيُخَاطِبُ وَيَتَكَلَّمُ وَيَقُوْلُ: يَاأَهْلَ الْقُبُوْرِ هَلْ لَكُمْ مِّنْ خَبَرٍ وَّهَلْ

عِنْدَكُمْ مِّنْ أَثَرٍ إِنِّيْ أَتَيْتُكُمْ مِّنْ شُهُوْرٍ وَّلَيْسَ سُؤَالِيْ إِلاَّ الدُّعَاءَ فَهَلْ دَرَيْتُمْ أَمْ غَفَلْتُمْ فَسَمِعَ أَبُوْحَنِيْفَةَ بِقَوْلٍ يُخَاطِبُهُ بِهِمْ فَقَالَ: هَلْ أَجَابُوْا لَكَ؟ قَالَ: لاَ! فَقَالَ لَهُ: سُحْقًا لَّكَ وَتَرِبَتْ يَدَاكَ كَيْفَ تُكَلِّمُ أَجْسَادًا لاَّ يَسْتَطِيْعُوْنَ جَوَابًا وَّلاَ يَمْلِكُوْنَ شَيْئًا وَّلاَ يَسْمَعُوْنَ صَوْتًا وَّقَرَأَ ﴿وَمَآ أَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَّنْ فِي الْقُبُوْرِ﴾

(تفهيم المسائل مولانا محمد بشير الدين قنوجي)

"امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے ایک شخص کو دیکھا کہ وہ کچھ نیک لوگوں کی قبروں کے پاس آکر ان سے کہہ رہا تھا: "اے قبروں والو! کیا تمہیں خبر بھی ہے اور کیا تمہارے پاس کچھ اثر بھی ہے؟ میں تمہارے پاس کئی مہینوں سے آرہا ہوں اور تمہیں پکار رہا ہوں' تم سے میرا سوال بجز دُعا کرانے کے اور کچھ نہیں۔ تم میرے حال کو جانتے ہو یا میرے حال سے بے خبر ہو؟" امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی یہ بات سُن کر اس سے پوچھا: "کیا (ان قبروں والوں نے) تیری بات کا جواب دیا؟" وہ کہنے لگا: "نہیں!" تو آپ نے فرمایا: "تجھ پر پھٹکار ہو' تیرے ہاتھ خاک آلودہ ہوں' تو ایسے (مردہ) جسموں سے بات کرتا ہے جو نہ جواب دینے کی طاقت رکھتے ہیں' نہ کسی چیز کا اختیار رکھتے ہیں اور نہ کسی کی آواز (فریاد) سُن سکتے ہیں' پھر امام صاحب نے یہ آیت پڑھی:

﴿وَمَآ أَنتَ بِمُسْمِعٍ مَّن فِي ٱلْقُبُورِ ﴿٢٢﴾﴾ (الفاطر ۳۵/ ۲۲)

"(اے پیغمبر!) تو ان کو نہیں سنا سکتا جو قبروں میں ہیں۔"[1]

علامہ آلوسی بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کی وضاحت: علامہ آلوسی حنفی بغدادی اپنی تفسیر روح المعانی میں لکھتے ہیں:

---

[1] مولانا محمد اسحاق دہلوی کی کتاب "ماۃ مسائل" کے رد میں ایک کتاب "تصحیح المسائل" نامی مولوی فضل رسول بدایونی نے لکھی تھی اس کا جواب مولانا محمد بشیر الدین قنوجی نے تفہیم المسائل کے نام سے دیا تھا۔ خوب مدلل کتاب ہے پہلے ۱۲۶۹ھ میں پہلی دفعہ مطبع "الرحمٰن" شاہجہان آباد میں طبع ہوئی پھر دوسری دفعہ محمدی پریس لاہور میں چھپی۔ تاریخ طبع معلوم نہیں۔

«إِنَّ الاِسْتِغَاثَةَ بِمَخْلُوقٍ وَّجَعْلَهُ وَسِيْلَةً بِمَعْنٰى طَلَبِ الدُّعَاءِ مِنْهُ لاَ شَكَّ فِيْ جَوَازِهِ إِنْ كَانَ الْمَطْلُوْبُ مِنْهُ حَيًّا... وَأَمَّا إِذَا كَانَ الْمَطْلُوْبُ مِنْهُ مَيِّتًا أَوْ غَائِبًا فَلاَ يَسْتَرِيْبُ عَالِمٌ أَنَّهُ غَيْرُ جَائِزٍ وَّأَنَّهُ مِنَ الْبِدَعِ الَّتِيْ لَمْ يَفْعَلْهَا أَحَدٌ مِّنَ السَّلَفِ»

(تفسير روح المعاني ٢/ ٢٩٧، طبع قديم ١٣٠١ھ)

"کسی شخص سے درخواست کرنا اور اس کو اس معنی میں وسیلہ بنانا کہ وہ اس کے حق میں دُعا کرے اس کے جواز میں کوئی شک نہیں بشرطیکہ جس سے وہ درخواست کی جائے وہ زندہ ہو..... لیکن اگر وہ شخص جس سے درخواست کی جائے مُردہ ہو یا غائب' تو ایسے استغاثے کے ناجائز ہونے میں کسی عالم کو شک نہیں اور مردوں سے استغاثہ ان بدعات میں سے ہے جن کو سلف میں سے کسی نے نہیں کیا۔"

اس سے معلوم ہوا کہ صحابہ' تابعین' ائمہ کرام اور تمام اسلافِ صالحین رحمہم اللہ زندہ نیک لوگوں سے تو دُعا کرانے کے قائل تھے لیکن کسی مُردہ کو انھوں نے مدد کے لئے نہیں پکارا اور ان سے استغاثہ نہیں کیا۔ حتی کہ رسول اللہ ﷺ تک سے استغاثہ نہیں کیا۔ اب آپ کے بعد کونسی ہستی ایسی ہے جو آپ سے زیادہ فضیلت رکھتی ہو کہ اسے مدد کے لئے پکارا جائے اور اس سے استعانت کی جائے۔ ﴿فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ؟﴾

وسیلے کی جائز صورتیں: اس تفصیل سے واضح ہے کہ وسیلے کی کئی صورتیں ہیں۔ بعض جائز ہیں اور بعض ممنوع۔ وسیلے کی جائز صورتیں حسب ذیل ہیں۔

① کسی زندہ نیک آدمی سے دعا کی درخواست کی جائے۔ جیسے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے دعا کروائی۔

② اللہ تعالیٰ کے اسماء و صفات کے وسیلے یعنی ان کے حوالے سے دعا کی جائے جیسے قرآن مجید میں ہے:

﴿وَقُل رَّبِّ اغْفِرْ وَارْحَمْ وَأَنتَ خَيْرُ الرَّاحِمِينَ ﴿١١٨﴾﴾ (المؤمنون ٢٣/ ١١٨)

"اور آپ کہئے اے رب! تو معاف کر دے اور رحم فرما' اور تو سب رحم کرنے والوں

سے بہتر رحم کرنے والا ہے۔"

یہاں اللہ سے رحم کرنے کی دعا کی جا رہی ہے اس کی صفت خیرالراحمین کے حوالے سے۔ اسی طرح یا اَرْحَمَ الرَّاحِمِیْن کا حوالہ بھی دیا جا سکتا ہے۔ اسی طرح اس سے رزق کی دعا اس کی صفت رزاق اور خیرالرازقین کے حوالے سے اور دیگر دعائیں ان کے حسب حال دیگر اسمائے حسنیٰ کے حوالے سے کی جائیں۔

③ اپنی تکلیف' اپنی تقصیر اور فقر و حاجت کا اظہار کر کے اس سے دعا کی جائے۔ اس صورت میں گویا انسان اپنی بے چارگی و بے کسی اور اپنی عاجزی و درماندگی کا وسیلہ یعنی حوالہ اللہ کی بارگاہ میں پیش کرتا ہے۔ جیسے حضرت ایوب علیہ السلام نے اپنی بیماری کے حوالے سے دعا فرمائی۔

﴿ أَنِّي مَسَّنِيَ ٱلضُّرُّ وَأَنتَ أَرْحَمُ ٱلرَّٰحِمِينَ ﴿٨٣﴾ ﴾ (الأنبياء۲۱/ ۸۳)

"بے شک مجھے تکلیف (بیماری) پہنچی ہے اور تو سب رحم کرنے والوں میں سب سے زیادہ رحم کرنے والا ہے۔"

اور جیسے زکریا علیہ السلام نے اولاد کے لیے دعا فرمائی تو اس میں ظاہری اسباب کے مطابق اپنی بے چارگی اور بے بسی کا اس طرح اظہار فرمایا:

﴿ رَبِّ إِنِّي وَهَنَ ٱلْعَظْمُ مِنِّي وَٱشْتَعَلَ ٱلرَّأْسُ شَيْبًا وَلَمْ أَكُنۢ بِدُعَآئِكَ رَبِّ شَقِيًّا ﴿٤﴾ ﴾ (مریم۱۹/ ٤)

"اے میرے رب! میری ہڈیاں کمزور ہو گئی ہیں اور سر بڑھاپے کی وجہ سے بھڑک اٹھا ہے' لیکن اے میرے رب! میں کبھی بھی تجھ سے دعا کر کے محروم نہیں رہا ہو۔"

حضرت یونس علیہ السلام نے مچھلی کے پیٹ میں اپنی تقصیر کا اعتراف کرتے ہوئے یوں دعا فرمائی:

﴿ لَّآ إِلَٰهَ إِلَّآ أَنتَ سُبْحَٰنَكَ إِنِّي كُنتُ مِنَ ٱلظَّٰلِمِينَ ﴿٨٧﴾ ﴾

(الأنبیاء۲۱/ ۸۷)

"تیرے سوا کوئی معبود نہیں' تو پاک ہے' یقیناً میں ہی قصوروار ہوں۔"

④ نیک اعمال کے وسیلے یعنی حوالے سے دعا کی جائے۔ جیسے قرآن مجید میں ہے:

﴿ رَّبَّنَآ إِنَّنَا سَمِعْنَا مُنَادِيًا يُنَادِي لِلْإِيمَـٰنِ أَنْ ءَامِنُوا۟ بِرَبِّكُمْ فَـَٔامَنَّا ۚ رَبَّنَا فَٱغْفِرْ لَنَا ذُنُوبَنَا وَكَفِّرْ عَنَّا سَيِّـَٔاتِنَا وَتَوَفَّنَا مَعَ ٱلْأَبْرَارِ ﴿١٩٣﴾ ﴾

(آل عمران۳/ ۱۹۳)

"اے ہمارے رب! ہم نے ایک آواز دینے والے کو سنا جو ایمان قبول کرنے کی آواز لگا رہا تھا' پس ہم (اس کی پکار پر) ایمان لے آئے' اے ہمارے رب! پس (اس ایمان کی بدولت) تو ہمارے گناہ معاف فرمادے اور ہم سے ہماری برائیاں دور کر دے اور ہمیں نیکوں کے ساتھ فوت کرنا۔"

یا جیسے حدیث میں سابقہ امتوں میں سے تین اشخاص کا واقعہ آتا ہے جنھوں نے بارش آنے پر غار میں پناہ لی تو غار کا منہ بند ہو گیا اور وہ تینوں غار میں پھنس گئے۔ وہاں ان تینوں نے اپنا اپنا خالص عمل' جو انہوں نے صرف اللہ کی رضا کے لیے کیا تھا' اللہ کی بارگاہ میں پیش کیا اور اس کے وسیلے اور حوالے سے اللہ سے دعا کی۔ اللہ نے ان کی دعاؤں کو قبول فرما کر غار کے دھانے سے اس چٹان کو سرکا دیا جس نے غار کا منہ بند کر دیا تھا اور وہ سب اس سے باہر نکل آئے۔ (صحیح بخاری' احادیث الانبیاء' باب حدیث الغار' حدیث: ۳۴۶۵)

قرآن مجید میں دو مقام پر "الوسیلہ" کا لفظ آیا ہے' دونوں جگہ وسیلے سے مراد یہی ذریعۂ قرب الٰہی یعنی اعمال صالحہ ہیں۔ یہ دو مقام حسب ذیل ہیں:

﴿ يَـٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ ٱتَّقُوا۟ ٱللَّهَ وَٱبْتَغُوٓا۟ إِلَيْهِ ٱلْوَسِيلَةَ ﴾

(المائدۃ: ۵/ ۳۵)

"اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور اس کی طرف وسیلہ تلاش کرو۔"

یعنی اعمال صالحہ کے ذریعے سے اللہ کا قرب حاصل کرنے کی کوشش کرو۔

﴿ أُو۟لَـٰٓئِكَ ٱلَّذِينَ يَدْعُونَ يَبْتَغُونَ إِلَىٰ رَبِّهِمُ ٱلْوَسِيلَةَ أَيُّهُمْ أَقْرَبُ وَيَرْجُونَ رَحْمَتَهُۥ وَيَخَافُونَ عَذَابَهُۥٓ ﴾ (الإسراء۱۷/ ۵۷)

"وہ لوگ جن کو یہ پکارتے ہیں' وہ تو اپنے رب کی طرف وسیلہ (ذریعۂ قرب) تلاش

کرتے ہیں کہ کون ان میں سے (اللہ کے) زیادہ قریب ہے۔ اور وہ اس کی رحمت کی امید رکھتے ہیں اور اس کے عذاب سے ڈرتے ہیں۔"

زمانۂ جاہلیت میں کچھ لوگ فرشتوں کی پوجا کرتے تھے اور کچھ لوگ جنات کی۔ اللہ نے فرمایا' یہ تو خود اللہ کا قرب تلاش کرنے کی فکر میں رہتے اور اس کی رحمت کی آس لگائے رکھتے اور اس کے عذاب سے ڈرتے ہیں۔ جب یہ خود ایسے ہیں' تو یہ معبود کس طرح بن سکتے ہیں؟

قرآن مجید کے ان دونوں مقامات کے سیاق سے واضح ہے کہ وسیلے سے مراد اعمال صالحہ ہیں۔ ایک میں اللہ تعالیٰ انہیں اختیار کرنے کی تلقین فرما رہا ہے اور دوسرے میں اللہ والوں کی صفت یہ بتلائی جا رہی ہے کہ وہ اعمال صالحہ بجالا کر اللہ کا قرب حاصل کرتے ہیں۔

ناجائز اور ممنوع وسیلہ : اس کی صورت یہ ہے کہ کسی مخلوق کے واسطے اور وسیلے سے دعا کی جائے۔ مثلاً: "یا اللہ! فلاں کے صدقے ہمارا فلاں کام کر دے۔ یا' فلاں کے حق یا جاہ و مرتبت کے واسطے ہماری دعا قبول فرما۔"

یہ وسیلہ اس لیے ناجائز ہے کہ یہ طریقہ نبی ﷺ کا بتلایا ہوا ہے نہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا اختیار فرمودہ ہے۔ یہ گویا بدعی طریقہ ہے' علاوہ ازیں یہ شرک کا ذریعہ بنتا ہے۔ لوگ جن کو اللہ کے ہاں معزز و مقرب سمجھ کر ان کے واسطے اور صدقے سے دعائیں مانگتے ہیں' شریعت اور توحید کے تقاضوں سے ناآشنا عوام پھر انہی بزرگوں کو متصرف الامور سمجھ لیتے ہیں اور ان سے بھی اسی طرح استمداد و استغاثہ کرنے لگ جاتے ہیں جیسے اللہ سے کیا جاتا ہے۔ یا ان کی قبروں پر جا کر نذر و نیاز چڑھانے یا وہاں جا کر دیگیں تقسیم کرنے کو حاجت بر آنے کے لیے اکسیر سمجھا جاتا ہے۔ آخرالذکر یہ دونوں صورتیں شرک صریح کی ذیل میں آ جاتی ہیں۔ اس لیے مذکورہ بدعی طریقے سے دعا کرنا حرام اور ناجائز ہے۔ اس سے شرک کا دروازہ کھلتا ہے۔ جیسا کہ واقعتاً ایک حلقے میں اس طرح کا شرک عام ہے اور اگر کوئی سمجھتا ہے کہ میرے لیے اس میں شرک کا کوئی اندیشہ نہیں ہے تب بھی اس طریقے کے بدعی ہونے میں تو کوئی شک ہی نہیں۔ مسنون طریقہ چھوڑ کر بدعی طریقہ اختیار کرنا بھی ایک

مسلمان کو زیب نہیں دیتا۔ اس لیے دعا' صرف اللہ کے اسمائے حسنیٰ یا اعمال صالحہ ہی کے حوالے سے کی جائے یا کسی نیک زندہ شخص سے دعا کروائی جائے۔

حدیث الاعمیٰ سے استدلال اور اس کا جواب: بحق فلاں یا بہ جاہ فلاں دعا کرنے والے حضرت حدیث میں بیان کردہ ایک واقعے سے استدلال کرتے ہیں' ہم مناسب سمجھتے ہیں کہ اس پر بھی کچھ گفتگو ہو جائے۔ یہ واقعہ حدیث میں اس طرح بیان ہوا ہے۔

ایک نابینا شخص' رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا اور اس نے کہا: اُدْعُ اللّٰهَ اَنْ يُّعَافِيَنِیْ "آپ اللہ سے دعا فرمائیں کہ وہ مجھے عافیت عطا فرمادے۔" نبی ﷺ نے اس سے فرمایا:

«إِنْ شِئْتَ دَعَوْتُ وَإِنْ شِئْتَ صَبَرْتَ فَهُوَ خَيْرٌ لَّكَ»

"اگر تو چاہے تو دعا کر دیتا ہوں اور اگر تو چاہے تو صبر کرلے' تیرے لیے یہ زیادہ بہتر ہے۔"

اس نے کہا: آپ اللہ سے دعا ہی فرمادیں۔ آپ نے اسے حکم دیا کہ وہ اچھی طرح وضو کر کے آئے اور ان الفاظ کے ساتھ دعا کرے۔

«اَللّٰهُمَّ إِنِّيْ أَسْئَلُكَ وَأَتَوَجَّهُ إِلَيْكَ بِنَبِيِّكَ مُحَمَّدٍ نَّبِيِّ الرَّحْمَةِ، إِنِّيْ تَوَجَّهْتُ بِكَ إِلٰى رَبِّيْ فِيْ حَاجَتِيْ هٰذِهِ لِتُقْضٰى لِيْ اَللّٰهُمَّ فَشَفِّعْهُ فِيَّ»(جامع الترمذي، الدعوات، باب ١١٨ (بعد باب في دعاء الضيف)، ح:٣٥٧٨)

"اے اللہ! میں تجھ سے سوال کرتا ہوں اور تیری طرف تیرے نبی محمد پیغمبر رحمت (کی دعا) کو متوجہ کرتا ہوں۔ بے شک میں آپ (نبی ﷺ) کو اپنے رب کی طرف اپنی اس حاجت میں سفارشی بناتا ہوں' تاکہ میری حاجت پوری کر دی جائے۔ اے اللہ! پس تو آپ کی میرے بارے میں سفارش (دعا) کو قبول فرما۔"

یہاں شفاعت (سفارش) بمعنی دعا ہے' سیاق سے یہ معنی واضح ہے۔ گویا اس میں زندہ بزرگ کی شفاعت یا دعا کو بطور وسیلہ اختیار کیا گیا ہے' یعنی نیک آدمی سے دعا کروانا۔ اور یہ وسیلے کی ایک جائز صورت ہے' کیونکہ یہ صورت بھی دراصل اعمال صالحہ کے ذریعے سے دعا کرنے میں شامل ہے۔ انسان کسی نیک آدمی سے دعا کی درخواست کرتا ہے تو اس کی نیکی کی بنیاد اعمال صالحہ ہی ہوتے ہیں۔ اس لیے یہ قسم بھی دراصل اعمالِ صالحہ کے ذریعے سے

دعا کرنے ہی میں شامل ہے۔

اس میں بحق فلاں یا بہ جاہ فلاں یا فلاں کے صدقے' والی کوئی بات نہیں ہے' کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو وہ نابینا آدمی نبی ﷺ کے پاس نہ آتا' بلکہ گھر بیٹھے ہی نبی ﷺ کے صدقے اور واسطے' یا آپ کے حق اور جاہ و مرتبت کے حوالے سے دعا کر لیتا۔ اس نے ایسا نہیں کیا' بلکہ آپ سے دعا کی درخواست کے لیے آپ کے پاس آیا۔ یعنی آپ کی دعا کے ساتھ توسل کیا' نہ کہ آپ کے ذات یا آپ کے جاہ کے ساتھ۔

نبی ﷺ نے بھی اسے یہ نہیں کہا کہ تجھے یہاں آنے کی ضرورت ہی کیا تھی' تو گھر بیٹھے ہی میرے صدقے یا میرے حق کے حوالے سے دعا کر لیتا۔ اس کی بجائے آپ نے اسے وضوء کر کے (اور سنن ابن ماجہ کی روایت کے مطابق' پھر دو رکعت ادا کر کے) مذکورہ طریقے سے دعا کرنے کا حکم دیا اور وضوء کر کے دو رکعت ادا کرنا' عمل صالح ہی ہے' اس عمل صالح کے بعد اللہ سے دعا کرنے کی تلقین فرمائی۔ علاوہ ازیں نابینا نے بھی آپ سے دعا کے لیے اصرار کیا' جس پر آپ نے بھی وعدے کے مطابق اس کی عافیت کے لیے دعا فرمائی۔

اس اعتبار سے اس واقعے میں اس سے زیادہ کچھ نہیں ہے کہ اس نابینا آدمی نے نبی ﷺ کے پاس آکر دعا کی درخواست کی اور پھر اس نے خود' نبی ﷺ کے بتلائے ہوئے طریقے کے مطابق پہلے اپنے لیے دعا کی۔ پھر اس دعا میں اس نے اپنے متعلق آپ کی دعا اور سفارش کے قبول کرنے کی بھی بارگاہ الٰہی میں التجا کی۔ اس لیے بعض علماء نے کہا ہے کہ اَتَوَجَّهُ اِلَيْكَ بِنَبِيِّكَ میں مضاف محذوف ہے۔ یعنی اَتَوَجَّهُ اِلَيْكَ بِدُعَاءِ نَبِيِّكَ "میں تیری طرف تیرے نبی کی دعا پیش کرتا (یا اس کی دعا کے ساتھ تیری طرف متوجہ ہوتا) ہوں۔"

اس واقعے اور حدیث سے قطعاً اس بات کا ثبوت نہیں ملتا کہ مخلوق کی ذات یا اس کے حق اور جاہ و مرتبت کے وسیلے سے دعا کی جائے یا انہیں غائبانہ مدد کے لیے پکارا جائے۔ اس حدیث سے صرف زندہ نیک آدمی سے دعا کروانے کا' علاوہ ازیں وہ جو دعا کسی کے لیے کرے' اس کی قبولیت کی التجاء کرنے کا اثبات ہوتا ہے' اس سے زیادہ کچھ نہیں۔

④ صنم پرست مشرکین بھی فاعلِ حقیقی اللہ ہی کو مانتے تھے

بعض لوگ کہتے ہیں "اللہ تعالیٰ کو فاعلِ حقیقی مانتے ہوئے کسی کو مدد کے لئے پکارا جائے تو یہ شرک نہیں۔" اس سلسلے میں عرض ہے کہ اس صورت میں ماننا پڑے گا کہ دُنیا میں شرک کا وجود کبھی رہا ہی نہیں ہے اور قرآن کریم میں (نعوذ باللہ) اللہ تعالیٰ نے خواہ مخواہ لوگوں کو مشرک قرار دیا ہے۔

قرآن مجید میں بڑی وضاحت کے ساتھ بار بار یہ بات بیان کی گئی ہے کہ عرب کے مشرکین جو دعوتِ توحید کے مخاطبِ اوّل تھے' وہ یہ مانتے تھے کہ زمین و آسمان اور کائنات کا خالق ومالک اور پروردگار صرف اللہ ہے اور وہی واحد ہستی ہے جس کے ہاتھ میں کائنات کی تدبیر اور تصرُّف ہے لیکن اس کے باوجود قرآن نے ان عربوں کو مشرک کہا۔ سوال یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو ماننے کے باوجود وہ مشرک کیوں قرار پائے؟ یہی وہ نکتہ ہے جس پر غور کرنے سے شرک کی حقیقت واضح ہوتی ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ مشرکینِ عرب نے اللہ کے سوا جن ہستیوں کو معبود اور دیوتا مان رکھا تھا وہ ان کو اللہ تعالیٰ کی مخلوق' اس کا مملوک اور بندہ ہی جانتے تھے لیکن اس کے ساتھ ان کا دعویٰ یہ تھا کہ چونکہ یہ لوگ اپنے اپنے وقتوں میں اللہ کے نیک بندے اور اس کے چہیتے تھے اللہ تعالیٰ کے ہاں انہیں خاص مقام حاصل تھا اس بناء پر وہ بھی کچھ اختیارات اپنے پاس رکھتے ہیں۔ ہم ان کی عبادت (پوجا) اس لئے نہیں کرتے کہ یہ خدائی اختیارات کے حامل ہیں' ہم تو ان کے ذریعے سے اللہ کا قرب حاصل کرتے ہیں اور بطورِ وسیلہ اور سفارش ان کو پکارتے ہیں اور ان سے استغاثہ کرتے ہیں۔ خود قرآن کریم میں مشرکین کے یہ اقوال نقل کیے گئے ہیں۔ سورۃ یونس میں فرمایا:

﴿ وَيَعْبُدُونَ مِن دُونِ ٱللَّهِ مَا لَا يَضُرُّهُمْ وَلَا يَنفَعُهُمْ وَيَقُولُونَ هَٰٓؤُلَآءِ شُفَعَٰٓؤُنَا عِندَ ٱللَّهِ ﴾ (یونس ۱۰/۱۸)

"اور (وہ مشرکین عرب) اللہ کے سوا ایسی چیزوں کی عبادت کرتے ہیں جو ان کو نقصان پہنچا سکتی ہیں نہ نفع۔ اور کہتے (یہ) ہیں کہ یہ تو ہمارے سفارشی ہیں اللہ کے پاس۔"

دوسرے مقام پر فرمایا:

﴿ وَٱلَّذِينَ ٱتَّخَذُواْ مِن دُونِهِۦٓ أَوْلِيَآءَ مَا نَعْبُدُهُمْ إِلَّا لِيُقَرِّبُونَآ إِلَى ٱللَّهِ زُلْفَىٰٓ ﴾ (الزمر ۳۹/ ۳)

''جن لوگوں نے اللہ کے سوا اپنے حمایتی پکڑ رکھے ہیں (ان کا کہنا ہے) کہ ہم تو ان کی صرف اس لیے عبادت کرتے ہیں کہ یہ ہم کو اللہ کے قریب پہنچا دیں۔''

اور صحیح احادیث میں آتا ہے کہ مشرکینِ عرب حج میں یہ تلبیہ پڑھا کرتے تھے:

«لَبَّيْكَ لاَ شَرِيْكَ لَكَ إِلاَّ شَرِيْكًا هُوَ لَكَ، تَمْلِكُهُ وَمَا مَلَكَ»(صحیح مسلم، الحج، باب التلبية وصفتها ووقتها، ح: ۱۱۸۵)

''اے اللہ! ہم تیرے حضور حاضر ہیں' تیرا کوئی شریک نہیں' سوائے اس شریک کے جو تیرا ہی ہے تو اس کا مالک ہے اور جن پر اس کی ملکیت اور حکومت ہے ان کا مالک بھی تو ہی ہے۔''

قومِ نوح کے پانچ بُت بھی دراصل اللہ کے نیک بندوں ہی کے نام تھے

اور صحیح بخاری میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی صراحت موجود ہے کہ قومِ نوح کے وہ پانچ بُت جن کا ذکر قرآن مجید (سورۃ نوح) میں کیا گیا ہے۔ جن کی وہ عبادت وپرستش کرتے تھے اللہ کے نیک بندوں کے بُت تھے:

«أَسْمَاءُ رِجَالٍ صَالِحِيْنَ مِنْ قَوْمِ نُوْحٍ فَلَمَّا هَلَكُوْا أَوْحَى الشَّيْطَانُ إِلٰى قَوْمِهِمْ أَنِ انْصِبُوْا إِلٰى مَجَالِسِهِمُ الَّتِيْ كَانُوْا يَجْلِسُوْنَ أَنْصَابًا وَّسَمُّوْهَا بِأَسْمَآءِهِمْ فَفَعَلُوْا فَلَمْ تُعْبَدْ حَتّٰى إِذَا هَلَكَ أُولٰئِكَ وَتَنَسَّخَ الْعِلْمُ عُبِدَتْ»(صحيح البخاري، التفسير، تفسير سوره نوح، ح: ٤٩٢٠)

''یعنی ''قومِ نوح کے پانچ بُت دراصل قومِ نوح کے نیک آدمیوں کے نام تھے جب وہ مر گئے تو شیطان نے ان کے ارادت مندوں سے کہا کہ (ان کی یاد تازہ رکھنے کے لئے) ان کے مجسّمے بنا کر اپنی بیٹھکوں میں رکھ لو۔ اور ان کو ان کے ناموں ہی سے موسوم

کرو۔ انہوں نے ایسا ہی کیا لیکن ان کی عبادت نہ کی گئی حتی کہ جب یہ (مجسمے بنانے والے) فوت ہو گئے تو ان کے بعد کی نسل نے لاعلمی اور جہالت کی بناء پر ان تصویروں اور مجسموں کی عبادت شروع کر دی۔"

بہرحال قرآن وحدیث اور صحابہ رضی اللہ عنہم کی تصریحات سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ مشرکین عرب کا شرک بھی یہی تھا کہ انہوں نے اللہ کے نیک بندوں کو ان کی وفات کے بعد اپنا حاجت روا اور مشکل کشا سمجھا' ان کے نام کی نذریں اور نیازیں دیں اور ان کے آستانوں پر سالانہ میلوں ٹھیلوں کا اہتمام کیا' ورنہ فاعلِ حقیقی وہ بھی اللہ کو مانتے تھے اور جب زیادہ مشکلات میں گھرتے تو پھر وہ ان بتوں کو چھوڑ کر فاعل حقیقی اللہ ہی کی طرف رجوع کرتے تھے' جس کی شہادت خود قرآن مجید نے دی ہے۔ مثلاً: سمندر میں جہاں کوئی ظاہری مادی سہارا انہیں نظر نہ آتا تو وہاں صرف اللہ رب العالمین کو پکارتے اور اپنے خود ساختہ بزرگوں اور معبودوں کو چھوڑ دیتے:

﴿ فَإِذَا رَكِبُوا۟ فِى ٱلْفُلْكِ دَعَوُا۟ ٱللَّهَ مُخْلِصِينَ لَهُ ٱلدِّينَ ﴾ (العنكبوت٢٩/ ٦٥)

"جب یہ مشرکین (دریائی سفر میں) کشتی میں سوار ہوتے ہیں تو (خطرے کے وقت) خالص اعتقاد کرتے ہوئے اللہ ہی کو پکارتے ہیں۔"

دوسری جگہ فرمایا:

﴿ وَإِذَا مَسَّكُمُ ٱلضُّرُّ فِى ٱلْبَحْرِ ضَلَّ مَن تَدْعُونَ إِلَّآ إِيَّاهُ ﴾ (بني اسرائيل١٧/ ٦٧)

"جب تم دریا میں (طوفان وغیرہ کی) مصیبت میں گھر جاتے ہو تو تمہارے وہ دیوتا جن کو تم پکارا کرتے ہو' غائب اور گم ہو جاتے ہیں۔ اس وقت تم بس اللہ ہی کو پکارتے ہو۔"

بے خبر مسلمانوں کا شرک ...... بزرگانِ دین کی تصریحات

بالکل یہی شرک ان مسلمانوں میں پایا جاتا ہے جو قبر پرست ہیں اور جن کی وکالت ان کے علماء فرماتے ہیں۔ ذرا بتلایا جائے کہ مشرکین عرب اور موجودہ قبر پرست مسلمانوں کے شرک میں کیا فرق ہے؟ اگر اب بھی کسی کو شک ہو تو ان اکابر علماء کی تصریحات ملاحظہ

فرمالیں جن کو وہ بھی قابلِ اعتماد گردانتے ہیں' ان حنفی علماء اور بزرگوں نے بھی وضاحت کی ہے کہ مسلمان جاہل عوام قبروں کے ساتھ جو کچھ کرتے ہیں وہ صریحاً مشرکانہ اعمال واعتقادات ہیں۔

حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ : چنانچہ حضرت مجدد الف ثانی لکھتے ہیں : "وحیوانات راکہ نذر مشائخ می کنند وبر سر قبرہائے ایشاں رفتہ آں حیوانات ذبح می نمایند در روایات فقہیہ ایں عمل رانیز داخل شرک ساختہ اندو دریں باب مبالغہ نمودہ ایں ذبح را از جنس ذبائح جن انگاشتہ اندکہ ممنوع شرعی است وداخل دائرۂ شرک" (مکتوب امام ربانی ۔ دفتر سوم' مکتوب:۴۱) "اور یہ لوگ بزرگوں کے لئے جو حیوانات (مرغوں' بکروں وغیرہ) کی نذر مانتے ہیں اور پھران کی قبروں پر لے جاکر ان کو ذبح کرتے ہیں تو فقہی روایات میں اس فعل کو بھی شرک میں داخل کیا گیا ہے اور فقہاء نے اس باب میں پوری سختی سے کام لیا ہے اور ان قربانیوں کو جنوں (دیوتاؤں اور دیویوں) کی قربانی کے قبیل سے ٹھہرایا ہے جو شرعاً ممنوع اور داخلِ شرک ہے۔"

اسی مکتوب میں آگے چل کر وہ اُن جاہل مسلمان عورتوں کے بارے میں لکھتے ہیں جو پیروں اور بیبیوں کو راضی کرنے کی نیت سے ان کے نام کے روزے رکھتی ہیں اور ان روزوں کے تُوسّل سے ان پیروں اور بیبیوں سے اپنی حاجتیں طلب کرتی ہیں اور سمجھتی ہیں کہ وہ ہماری حاجتیں پوری کریں گے۔ ان کے بارے میں حضرت مجدد فرماتے ہیں: ایں شرکت در عبادت است' کہ "ان جاہل عورتوں کا یہ عمل شرک فی العبادت ہے۔"

حضرت شاہ ولی اللہؒ : شاہ ولی اللہ مُحدّث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"اگر در تصویر حال مشرکین واعمال ایشاں توقف داری احوالِ محترفانِ اہل زمانہ خصوصاً آناں کہ بہ اطرافِ دار الاسلام سکونت دارند ملاحظہ کُن کہ..... بہ قبور وآستانہامی روند وانواعِ شرک بہ عمل می آرند۔" (الفوز الکبیر فی اصول التفسیر :۱۱)

"اگر عرب کے مشرکین کے احوال واعمال کا صحیح تصوّر تمہارے لیے مشکل ہو اور اس میں کچھ توقف ہو تو اپنے زمانے کے پیشہ ور عوام خصوصاً وہ جو دار الاسلام کے اطراف میں

رہتے ہیں ان کا حال دیکھ لو، وہ قبروں، آستانوں اور درگاہوں پر جاتے ہیں اور طرح طرح کے شرک کا ارتکاب کرتے ہیں۔"

اور "حُجۃ اللہ البالغہ" میں شرک کی مختلف شکلیں بیان کر کے لکھتے ہیں:

«وَهٰذَا مَرَضُ جُمْهُوْرِ الْيَهُوْدِ وَالنَّصَارٰى وَالْمُشْرِكِيْنَ وَبَعْضِ الْغُلَاةِ مِنْ مُنَافِقِيْ دِيْنِ مُحَمَّدٍ ﷺ يَوْمَنَا هٰذَا»(حجة الله البالغة، باب في حقيقة الشرك، ص: ٦١)

"اور شرک کی یہ وہ بیماری ہے جس میں یہود، ونصاریٰ اور مشرکین بالعموم اور ہمارے اس زمانے میں مسلمانوں میں سے بعض غالی منافقین مبتلا ہیں۔"

شاہ عبد العزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ : شاہ عبد العزیز دہلوی رحمۃ اللہ علیہ سورۂ مزمل کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ یہ شان صرف اللہ تبارک وتعالیٰ کی ہے کہ جو اس کو جب اور جہاں سے یاد کرے، اللہ تعالیٰ کو اس کا علم ہو جائے اور یہ شان بھی اسی کی ہے کہ وہ اس بندے کی قوتِ مدرکہ میں آجائے جس کو شریعت کی خاص زبان میں دُنُو، تدلّی اور قرب ونزول کہا جاتا ہے۔ اس کے بعد فرماتے ہیں: "ایں ہر دو صفتِ خاصہ ذاتِ پاک اوتعالیٰ است ہیچ مخلوق را حاصل نیست آرے بعض کفرہ در حق بعضے از معبودانِ خود وبعضے پیر پرستان از زمرۂ مسلمین در حق پیرانِ خود امر اوّل را ثابت می کنند ودر وقتِ احتیاج بہ ہمیں اعتقاد بآنہا استعانت می نمایند۔" (تفسیر عزیزی پارہ تبارک الذی، سورۂ مزمل، صفحہ:۱۸۱)

"اور یہ دونوں صفتیں اللہ تعالیٰ کی ذات پاک کا خاصہ ہیں، یہ کسی مخلوق کو حاصل نہیں ہیں۔ ہاں بعض کفار اپنے بعض معبودوں اور دیوتاؤں کے بارے میں، اور مسلمانوں میں سے بعض پیر پرست اپنے پیروں کے بارے میں ان میں سے پہلی چیز ثابت کرتے ہیں اور اپنی حاجتوں کے وقت اسی اعتقاد کی بناء پر ان سے مدد چاہتے ہیں اور مدد کیلئے ان کو پکارتے ہیں۔"

اپنے فتاویٰ میں ایک سوال کے جواب میں ہندوستان کے ہندوؤں کے شرک کا حال یوں بیان کر کے آخر میں فرماتے ہیں: "ہمیں است حال فرقہ ہائے بسیار از مسلمین مثلِ تعزیہ سازان ومجاورانِ قبور وجلالیان ومداریان۔" (فتاویٰ عزیزی:۱/۱۴۴، طبع مجتبائی دہلی)

"یہی حال ہے بہت سے مسلمان فرقوں کا مثلاً تعزیہ بنانے والوں' قبروں کے مجاوروں' جلالیوں اور مداریوں کا۔"

اور اسی فتاویٰ میں ایک اور مقام پر لکھتے ہیں: "در بابِ استعانت بہ ارواحِ طیّبہ دریں اُمت افراطِ بسیار بہ وقوع آمدہ آنچہ جہال وعوام ایں ہامی کنند وایشاں را درہر عمل مستقل دانستہ اند بلاشبہ شرک جلی است۔" (حوالۂ مذکورہ:۱۲۱)

"ارواحِ طیّبہ (نیک لوگوں کی روحوں) سے استعانت (مدد طلب کرنے) کے معاملے میں اس اُمت کے جہال وعوام جو کچھ کرتے ہیں اور ہر کام میں بزرگانِ دین کو مستقل مختار سمجھتے ہیں۔ یہ بلاشبہ شرک جلی ہے۔" (خلاصہ)

اسی طرح اور بھی کئی بزرگوں نے اس کی صراحتیں کی ہیں کہ قبر پرست مسلمانوں کے اعمال وعقائد صریحاً مشرکانہ ہیں۔

<u>فقہ حنفی کی صراحت (قبروں پر کیے جانے والے کام حرام ہیں):</u> یہ بات بھی دلچسپی سے خالی نہیں کہ تمام قبر پرست اپنے آپ کو فقہ حنفی کا پیروکار کہتے ہیں حالانکہ فقہ حنفی میں بھی اُن اُمور کو جن کا ارتکاب قبر پرست کرتے ہیں' حرام وباطل اور کفر وشرک بتلایا گیا ہے۔

چنانچہ فقہ حنفی کی مشہور کتاب "دُرِّ مختار" میں ہے:

«وَاعْلَمْ أَنَّ النَّذْرَ الَّذِيْ يَقَعُ لِلأَمْوَاتِ مِنْ أَكْثَرِ الْعَوَامِّ وَمَا يُؤْخَذُ مِنَ الدَّرَاهِمِ وَالشَّمْعِ وَالزَّيْتِ وَنَحْوِهَا إِلٰى ضَرَائِحِ الأَوْلِيَآءِ الْكِرَامِ تَقَرُّبًا إِلَيْهِمْ فَهُوَ بِالإِجْمَاعِ بَاطِلٌ وَّحَرَامٌ»(الدر المختار: ۲/ ۴۳۹)

"معلوم ہونا چاہیئے کہ اکثر عوام' مُردوں کے نام پر جو نذریں اور نیازیں دیتے ہیں۔ چڑھاوے چڑھاتے ہیں' اولیاء کرام کا تقرب حاصل کرنے کے لئے مالی نذرانے پیش کرتے ہیں اور ان کی قبروں پر چراغ اور تیل جلاتے ہیں' وغیرہ۔ یہ سب چیزیں بالاجماع باطل اور حرام ہیں۔"

دُرِّ مختار کی مشہور شرح رد المحتار (المعروف فتاویٰ شامی) میں اس کی شرح یوں کی گئی ہے:

«قَوْلُهُ بَاطِلٌ وَّحَرَامٌ لِّوُجُوْهٍ مِّنْهَا أَنَّهُ نَذْرٌ لِّمَخْلُوْقٍ وَّالنَّذْرُ

لِلْمَخْلُوْقِ لاَ يَجُوْزُ لاَنَّهُ عِبَادَةٌ وَّالْعِبَادَةُ لاَ تَكُوْنُ لِمَخْلُوْقٍ وَّمِنْهَا أَنَّ الْمَنْذُوْرَ لَهُ مَيِّتٌ وَّالْمَيِّتُ لاَ يَمْلِكُ وَمِنْهَا أَنَّهُ ظَنَّ أَنَّ الْمَيِّتَ يَتَصَرَّفُ فِي الأُمُوْرِ دُوْنَ اللهِ تَعَالٰى وَاعْتِقَادُهُ ذٰلِكَ كُفْرٌ»
(رد المحتار: ۲/ ۴۳۹)

''اس نذر لغیر اللہ کے باطل اور حرام ہونے کے کئی وجوہ ہیں جن میں سے یہ ہے کہ ○ یہ قبروں کے چڑھاوے وغیرہ مخلوق کے نام کی نذریں ہیں اور مخلوق کے نام کی نذر جائز ہی نہیں اس لیے کہ یہ (نذر بھی) عبادت' ہے اور عبادت کسی مخلوق کی جائز نہیں۔ ○ اور ایک وجہ یہ ہے کہ مَنْذُوْرلَهٗ (جس کے نام کی نذر دی جاتی ہے) مُردہ ہے اور مُردہ کسی چیز کا اختیار نہیں رکھتا۔ ○ اور ایک وجہ یہ ہے کہ نذر دینے والا شخص مُردوں کے متعلق یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ وہ اللہ کے سوا کائنات میں تصرّف کرنے کا اختیار رکھتے ہیں حالانکہ ایسا عقیدہ رکھنا بھی کفر ہے۔''

فتاویٰ عالمگیری کا فتویٰ: اسی طرح فتاویٰ عالمگیری جس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ اسے پانچ سو حنفی علماء نے مرتب کیا ہے' اس میں لکھا ہے کہ:

«وَالنَّذْرُ الَّذِيْ يَقَعُ مِنْ أَكْثَرِ الْعَوَامِّ بِأَنْ يَّأْتِيَ إِلٰى قَبْرِ بَعْضِ الصُّلَحَآءِ وَيَرْفَعُ سِتْرَهُ قَائِلاً: يَاسَيِّدِيْ فُلاَنُ! إِنْ قَضَيْتَ حَاجَتِيْ فَلَكَ مِنِّيْ مِنَ الذَّهَبِ مَثَلاً كَذَا بَاطِلٌ إِجْمَاعًا»

''اکثر عوام میں یہ رواج ہے کہ وہ کسی نیک آدمی کی قبر پر جا کر نذر مانتے ہیں کہ اے فلاں بزرگ! اگر میری حاجت پوری ہو گئی تو اتنا سونا (یا کوئی اور چیز) تمہاری قبر پر چڑھاؤں گا۔ یہ نذر بالاجماع باطل ہے۔''

پھر لکھا ہے:

«فَمَا يُؤْخَذُ مِنَ الدَّرَاهِمِ وَنَحْوِهَا وَيُنْقَلُ إِلٰى ضَرَآئِحِ الأَوْلِيَآءِ الْكِرَامِ تَقَرُّبًا إِلَيْهِمْ فَحَرَامٌ بِالإِجْمَاعِ»(الفتاوى الهندية(المعروف) فتاوى عالمگيري: ۱/ ۲۱۶، باب الاعتكاف، طبع مصر)

”پس جو دینار و درہم یا اور چیزیں اولیاء کرام کی قبروں پر اُن کا قرب حاصل کرنے (اور ان کو راضی کرنے) کے لئے لی جاتی ہیں وہ بالاجماع حرام ہیں۔“

اللہ کے سوا کسی اور کو عالم الغیب سمجھنا کفر ہے: مُردوں سے استغاثہ واستعانت کرنے والے کا یہ عقیدہ ہوتا ہے کہ وہ میرے حال سے واقف ہے اور وہ عالم الغیب ہے کیوں کہ اس عقیدے کے بغیر ہزاروں میل کے فاصلے سے کسی مُردہ بزرگ کو پکارنے کا کوئی مطلب ہی نہیں رہتا۔

اور اللہ کے سوا کسی اور کو عالم الغیب سمجھنے والے کی بھی فقہ حنفی میں تکفیر کی گئی ہے۔ چنانچہ مُلا علی قاری حنفی شرح فقہ اکبر میں لکھتے ہیں:

«ثُمَّ اعْلَمْ أَنَّ الأَنْبِيَآءَ لَمْ يَعْلَمُوا الْمَغِيْبَاتِ مِنَ الأَشْيَآءِ إِلاَّ مَا عَلَّمَهُمُ اللهُ تَعَالٰى أَحْيَانًا وَّذَكَرَ الْحَنَفِيَّةُ تَصْرِيْحًا بِالتَّكْفِيْرِ بِاعْتِقَادِ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ يَعْلَمُ الْغَيْبَ لِمُعَارَضَةِ قَوْلِهِ تَعَالٰى ﴿قُلْ لاَّ يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمٰوَاتِ وَالأَرْضِ الْغَيْبَ إِلاَّ اللهُ﴾ كَذَا فِي الْمَسَائِرَةِ»

(شرح فقه اكبر، ص: ۱۸۲، طبع مجتبائي)

”معلوم ہونا چاہیئے کہ انبیاء علیہم السلام غیب کی صرف انہی باتوں کو جانتے ہیں جو اللہ تعالیٰ وقتاً فوقتاً ان کو بتلا دے اور فقہائے حنفیہ نے اس عقیدے کو کہ ”رسول اللہ ﷺ کو علم غیب تھا“ صراحۃً کفر قرار دیا ہے کیوں کہ یہ عقیدہ اللہ تعالیٰ کے فرمان ﴿قُلْ لاَّ يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمٰوَاتِ وَالْأَرْضِ الْغَيْبَ إِلاَّ اللّٰهُ﴾ کے معارض (مخالف) ہے۔ یہی بات (شیخ ابن الہمام نے) مسائرہ میں ذکر کی ہے۔“

فقہ حنفی کی ایک اور مشہور کتاب فتاویٰ قاضی خان میں ہے:

«رَجُلٌ تَزَوَّجَ امْرَأَةً بِغَيْرِ شُهُوْدٍ فَقَالَ الرَّجُلُ وَالْمَرْأَةُ»

خدائے را و پیغامبر را گواہ کردیم

«قَالُوْا: يَكُوْنُ كُفْرًا لأَنَّهُ اعْتَقَدَ أَنَّ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ يَعْلَمُ الْغَيْبَ وَهُوَ مَا كَانَ يَعْلَمُ الْغَيْبَ حِيْنَ كَانَ فِي الأَحْيَآءِ فَكَيْفَ بَعْدَ

الْمَوْتِ» (فتاوى قاضي خان على حاشيه فتاوى عالمگيري: ٣/ ٥٧٦ طبع بولاق ١٣١٠هـ فتاوى بزازية ص: ٣٢٥، على رحاشيه فتاوى عالمگيري: ٦/ ٣٢٥)

"کسی آدمی نے کسی عورت سے بغیر گواہوں کے نکاح کیا۔ البتہ مرد و عورت نے یہ کہا کہ ہم اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کو گواہ بناتے ہیں' فقہائے حنفیہ کہتے ہیں کہ ایسا کہنا کفر ہے اس لیے کہ اس کا اعتقاد یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ غیب جانتے ہیں حالانکہ آپ اپنی زندگی میں عالم الغیب نہ تھے' دنیا سے تشریف لے جانے کے بعد آپ عالم الغیب کیوں کر ہو سکتے ہیں؟"

اور فتاویٰ بزازیہ میں ہے:

«وَقَالَ عُلَمَآؤُنَا مَنْ قَالَ أَنَّ أَرْوَاحَ الْمَشَايِخِ حَاضِرَةٌ تَعْلَمُ يُكَفَّرُ» (فتاوى مولانا عبدالحي: ٢/ ٣٤ بحواله فتاوى بزازية ص: ٣٣٦، على حاشيه فتاوى عالمگيري: ٦)

"ہمارے (حنفی) علماء نے کہا کہ جو شخص یہ اعتقاد رکھے کہ بزرگوں کی روحیں حاضر ہوتی ہیں اور غیب جانتی ہیں وہ کافر ہے۔"

اسی طرح فقہ حنفی میں' قبروں کا طواف' قبروں کا چومنا' ان کی تعظیم کے لئے جھکنا اور وہاں دست بستہ قیام وغیرہ یہ تمام چیزیں ناجائز اور حرام لکھی ہیں اور قبروں پر سجدے کو کفر تک سے تعبیر کیا گیا ہے۔

فوت شدہ بزرگوں سے استغاثے کے قائل اور ان کے وکیل و حمایتی اس آئینے میں اپنا سراپا دیکھ کر فیصلہ کر لیں کہ خود فقہ حنفی ان کی بابت کیا فیصلہ صادر کرتی ہے۔ ہم یہاں رسول اللہ ﷺ کے وہ فرمودات نقل نہیں کر رہے جن میں یہود و نصاریٰ کو اسی لئے ملعون قرار دیا گیا ہے کہ انہوں نے اپنے نیک لوگوں اور نبیوں کی قبروں کو سجدہ گاہ بنا لیا۔ (صحیح مسلم) اس لئے کہ اس کی تفصیل ایک مستقل عنوان کی متقاضی ہے۔

شَیخ عَبْد القَادر! شَیْئًا لِلّٰہِ کیوں ناجائز ہے: اس تفصیل سے واضح ہے کہ یَا عَلِیُّ مَدَدْ' یَارَسُوْلَ اللّٰہ مَدَدْ' اَغِثْنِیْ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ اور یَا شَیْخ عَبْدُالْقَادِرْ شَیْئًا لِلّٰہِ وغیرہ جیسے الفاظ اور

وظیفوں سے فوت شدگان سے استغاثہ (مدد طلب کرنا) حرام' ناجائز اور مشرکانہ فعل ہے کیوں کہ ایسا کرنے والے کا عقیدہ یہی ہوتا ہے کہ جس کو وہ مدد کے لئے پکار رہا ہے وہ اس کی فریاد سننے پر قادر ہے' وہ عالم الغیب ہے اور وہ کائنات میں تصرّف کرنے کا اختیار رکھتا ہے حالانکہ یہ تمام صفات' اللہ تعالیٰ کی ہیں جو صرف اس کے ساتھ خاص ہیں۔ اسی لئے فقہ حنفی میں اس امر کو شرک و کفر سے تعبیر کیا گیا ہے اور حنفی بزرگوں نے اسی بنا پر یَا شَیْخ عَبْدُالْقَادِرْ شَیْئًا لِلّٰہِ کو ناجائز' کفر اور شرک لکھا ہے۔

چنانچہ قاضی ثناء اللہ حنفی پانی پتی فرماتے ہیں: "آنچہ جہال می گویند یا شیخ عبدالقادر جیلانی شیئا للّٰہ ' یا خواجہ شمس الدین پانی پتی شیئا للّٰہ جائز نیست' شرک و کفراست۔" (ارشاد الطالبین:ص:۱۸)

اور مولانا عبدالحی حنفی لکھنوی لکھتے ہیں کہ اس وظیفے سے احتراز لازم و واجب ہے بعض فقہاء نے اس پر کفر تک کا اطلاق کیا ہے۔ نیز اس وظیفے کے پڑھنے والے کے دل میں یہ عقیدہ ہوتا ہے کہ بزرگ' عالم الغیب اور صاحبِ اختیار ہے اور یہ عقیدہ شرک ہے۔ ان کی اصل عبارت یہ ہے:

"ازیں چنیں وظیفہ احتراز لازم و واجب۔ اولا ازیں جہت کہ ایں وظیفہ متضمن شیئا للّٰہ است وبعض فقہا ازما ہیچو لفظ حکم کفر کردہ اندچنانکہ دَر دُر مختاری نوسند ((کذا قول شئی للّٰہ قیل یکفر۔ انتہی..... ثانیا ازیں جہت کہ ایں وظیفہ متضمن است ندائے اموات را از امکنۂ بعیدہ ندارابشنوند۔ البتہ سماع اموات سلام زائر قبر راثابت است بلکہ اعتقادایں کہ کسے غیر حق سبحانہ' حاضروناظر و عالم خفی وجلی درہروقت دہرآن است اعتقاد شرک۔ درفتاویٰ بزازیہ می نوسند ((تَزَوَّجَ بِلَاشُھُوْد و قَالَ)) خدائے و رسول خدا و فرشتگان راگواہ کردہ ام ((یُکَفَّرُ لِاَنَّہٗ اِعْتَقَدَاَنَّ الرَّسُوْلَ وَالْمَلَكَ یَعْلَمَانِ الْغَیْبَ وَقَالَ عُلَمَاؤُنَا مَنْ قَالَ اَنَّ اَرْوَاحَ الْمَشَائِخِ حَاضِرَۃٌ تَعْلَمُ یُکَفَّرُ)) انتھٰی و حضرت شیخ عبدالقادر اگرچہ ازاجلہ اولیاء امت محمدیہ اندو مناقب و فضائل شان ((لا تعدو لا تحصی)) اند لیکن چنیں قدرت شان کہ فریاد را از امکنۂ بعیدہ بشنوندو بہ فریاد رسند ثابت نیست و اعتقاد ایں کہ آں جناب ہروقت

حال مریدانِ خودمی دانندوندائے شان می شنوند از عقائد شرک است۔" (مجموعہ فتاوی مولانا عبدالحی لکھنوی حنفی' ۳/۴۴)

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

"بدانکہ دریں مقام مزلۃ الا قدام بسیارے افتادہ اندر شافع مشفوع الیہ فرق نہ کردہ اندمی گویند یا شیخ عبدالقادر جیلانی شیئا للہ۔ یعنی "اے شیخ عبدالقادر جیلانی چیزے از برائے خدابدہ۔ دریں کلام خدائے تعالیٰ راشفیع گردانیدہ اندوحضرت شیخ رادہندہ و حقیقت بالعکس می نماید۔" (البلاغ المبین' ص:۱۱۴-۱۱۵' طبع لاہور)

"جاننا چاہیئے یہ بہت سے لوگوں کے پھسل جانے کا مقام ہے' انہوں نے سفارش کرنے والے اور جس کی طرف سفارش کی جائے۔ ان دونوں میں فرق نہیں سمجھا۔ کہتے ہیں "یا شیخ عبدالقادر جیلانی اللہ کے لئے کچھ دے" اس کلام میں انہوں نے اللہ کو سفارشی بنایا اور حضرت شیخ کو دینے والا۔ حالانکہ حقیقت اس کے برعکس معلوم ہوتی ہے۔" (ترجمہ: "البلاغ المبین" طبع ملتان' ص: ۱۱۲)

اس طرح کی استمدادا (مدد طلب کرنے) کو' جو وظیفہ مذکور ((شَيْئًا لِلّٰه)) میں کی گئی ہے' حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے اللہ کی توہین قرار دیا ہے۔ چنانچہ وہ اس کے بعد لکھتے ہیں:

"ازیں جادریافت شدکہ بواسطہ خدا از مخلوق حاجت خواستن خصوصاً از عالمیان غیب گویا خدارا بے چارا دانستن و مخلوق راتوانا و دانا پنداشتن است۔" ((معاذ اللہ من ذالک)) -- (البلاغ المبین فارسی' ص:۱۱۵)

یعنی "اس سے ثابت ہوا کہ زندہ و غیر زندہ مخلوق کے پاس اللہ تعالیٰ کو شفیع بنا کر لانا یا اس کا واسطہ دے کر مخلوق سے حاجت روائی چاہنا گویا خدا کو عاجز سمجھنا اور مخلوق کو توانا تر جاننا ہے ((معاذ اللہ من ذلک)) (ترجمہ اردو' ص:۱۱۲)

قبر پرستوں کا شرک صریح...... ایک نمونہ

بعض لوگ کہتے ہیں کہ ہم تو فوت شدہ بزرگوں کو صرف بطورِ "وسیلہ" پکارتے ہیں۔

ہمارا عقیدہ یہ نہیں ہوتا کہ وہ خدائی صفات سے متصف ہیں۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ یہ محض تکلف ہے خدائی صفات تسلیم کیے بغیر ان کو مافوق الاسباب طریق سے پکارنے کا کوئی مفہوم ہی نہیں رہتا۔ تاہم اتمام حجت کے طور پر ہم مخاطبین کے مشہور رسالے سے ایک نظم پیش کرتے ہیں جس میں شیخ عبدالقادر جیلانی کے اندر تمام خدائی صفات کا اثبات کیا گیا ہے' جس سے صاف واضح ہو جاتا ہے کہ قبر پرست چاہے تاویلات کے کیسے ہی حسین غلاف چڑھالیں۔ الفاظ کے خوب مینا بازار سجالیں اور کیسے ہی خوش کن عنوانات اختیار کر لیں' لیکن ان کا عقیدہ و عمل صریحاً مشرکانہ ہے۔ لیجئے! ذرا دل پر ہاتھ رکھ کر نظم ملاحظہ فرمایئے:

خدا کے فضل سے ہم پر ہے سایہ غوث اعظم کا	ہمیں دونوں جہاں میں ہے سہارا غوث اعظم کا
ہماری لاج کس کے ہاتھ ہے بغداد والے کے	بلائیں ٹال دینا کام کس کا' غوث اعظم کا
جہاز تاجراں گرداب سے فوراً نکل آیا	وظیفہ جب انہوں نے پڑھ لیا یا غوث اعظم کا
گئے اک وقت میں ستر مریدوں کے یہاں آقا	سمجھ میں آ نہیں سکتا معمہ غوث اعظم کا
شفا پاتے ہیں صدہا جاں بلب امراض مہلک سے	عجب دارالشفا ہے آستانہ غوث اعظم کا
بلاد اللہ ملکی تحت حکمی سے یہ ظاہر ہے	کہ عالم میں ہر اک شے پر ہے قبضہ غوث اعظم کا
محکمی نافذ فی کل حال سے ہوا ظاہر	تصرف انس و جن سب پر ہے آقا غوث اعظم کا
ہوا موقوف فوراً ہی برسنا اہل محفل پر	جو پایا ابر باراں نے اشارہ غوث اعظم کا
جو حق چاہے وہ یہ چاہیں' جو یہ چاہیں وہ حق چاہے	تو مٹ سکتا ہے پھر کس طرح چاہا غوث اعظم کا
فقیہوں کے دلوں سے دھو دیا ان کے سوالوں کو	دلوں پر ہے بنی آدم کے قبضہ غوث اعظم کا
وہ کہہ کر قم باذن اللہ جلا دیتے تھے مُردوں کو	بہت مشہور ہے احیائے موتیٰ غوث اعظم کا
فرشتے مدرسے تک ساتھ پہنچانے کو جاتے تھے	یہ دربار الٰہی میں ہے رتبہ غوث اعظم کا
لعاب اپنا چٹایا احمد مختار نے ان کو	تو پھر کیسے نہ ہوتا' بول بالا غوث اعظم کا
رسول اللہ نے خلعت پہنایا برسر مجلس	بجے کیونکر نہ پھر عالم میں ڈنکا غوث اعظم کا
ہمارا ظاہر و باطل ہے ان کے آگے آئینہ	کسی شے سے نہیں عالم میں پردہ غوث اعظم کا

(ماہنامہ ''رضائے مصطفیٰ'' گوجرانوالہ' جلد 15 شمارہ 6' مئی 1973ء)

نظم کا ایک ایک شعر ملاحظہ فرمائیے کہ کس فراخدلی سے تمام خدائی صفات کا اثبات ایک فوت شدہ بزرگ کے حق میں کیا گیا ہے۔ (فنعوذ باللہ من ھذہ الھفوات)

کیا غائب کو پکارنا شرک نہیں... واقعہ ((یَا سَارِیَۃُ الْجَبَلَ)) کی حقیقت

بعض لوگ کہتے ہیں کہ غائب کو پکارنا' اگر شرک و بدعت ہوتا تو حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ حضرت ساریہ کو نہ پکارتے جو ایران میں نہاوند کے علاقے میں مصروف جہاد تھے۔"

جہاں تک حضرت عمر کے واقعہ ((یَاسَارِیَۃُ الْجَبَلَ)) کا تعلق ہے' یہ واقعہ اول تو محققین کے نزدیک سنداً صحیح نہیں۔ تاہم بعض علماء اسے سنداً حسن قرار دیتے ہیں' اگر اسے واقعی حسن تسلیم کر لیا جائے' تو روایت ضرور قابل قبول قرار پا جائے گی۔ لیکن پھر بھی یہ واقعہ بطور کرامت ہی ہے جس سے کسی مسئلے کے اثبات کے لئے استدلال نہیں کیا جا سکتا۔ کیوں کہ معجزہ اور کرامت یہ انسان کے اختیاری فعل نہیں۔ یہ اللہ کی مشیت کے تحت صادر ہوتے ہیں' اسی لئے کوئی نبی محض اپنے اختیار سے اللہ کی مشیت کے بغیر معجزہ صادر کر کے نہیں دکھا سکتا اور کوئی ولی کسی کرامت کا اظہار نہیں کر سکتا۔ یہی وجہ ہے کہ اہل سنت کے ہاں یہ اصول مسلمہ ہے کہ معجزہ اور کرامت سے استدلال جائز نہیں۔

اس لئے ((یَا سَارِیَۃُ الْجَبَلَ)) کے واقعے سے استدلال بڑا عجیب اور اہل سنت کے مسلمہ اصول کے خلاف ہے۔ البتہ حضرت ساریہ کے واقعے میں اگر مزید غور کیا جائے تو اس سے یہ پہلو مزید واضح ہو جاتا ہے کہ دورِ خیرالقرون میں مصیبت کے وقت فوت شدہ یا نظروں سے غائب بزرگوں کو مدد کے لئے پکارنے کا کوئی تصور نہیں تھا' ورنہ حضرت ساریہ' جو دشمن کے نرغے میں گھر گئے تھے' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو مدد کے لئے ضرور پکارتے' مگر انہوں نے ایسا نہیں کیا۔ کیوں کہ اس دور میں اس شرک کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا تھا۔ وہ تو اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے اس لشکر کی مدد فرمائی تھی جو نہاوند میں حضرت ساریہ کی سرکردگی اور قیادت میں کافروں کے خلاف صف آراء تھا۔ اس لئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی زبان سے یَا سَارِیَۃُ الْجَبَلَ (اے ساریہ پہاڑ کے دامن میں پناہ لو) کے الفاظ نہ صرف

کہلوائے بلکہ معجزانہ طور پر یہ الفاظ سینکڑوں میل کے فاصلے کے باوجود حضرت ساریہ کے؟ کانوں تک پہنچا دیئے۔

ایک مجہول الحال آدمی کے خواب سے استدلال

ایک دلیل یہ دی جاتی ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں قحط واقع ہوگیا۔ ایک صحابی حضرت بلال بن حارث مزنی رضی اللہ عنہ ' نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مزار پُرانوار پر حاضر ہوئے اور عرض کی: یارسول اللہ! اپنی امت کے لیے پانی مانگئے کیوں کہ وہ ہلاک ہو رہی ہے' تو ایک مرد اُن (حضرت بلال بن حارث) کے خواب میں آئے (اور الاستیعاب کے الفاظ یہ ہیں کہ): "خواب میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس تشریف لائے اور فرمایا: "(حضرت) عمر (رضی اللہ عنہ) کے پاس جاؤ اور انہیں کہو کہ لوگوں کے لئے بارش کی دعا کریں انہیں بارش دی جائے گی اور انہیں کہو کہ احتیاط کا دامن مضبوطی سے پکڑے رہو۔" وہ صاحب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور ماجرا بیان کیا۔ راوی کہتے ہیں کہ (حضرت) عمر (رضی اللہ عنہ) رو دیئے اور کہا: "یااللہ (جل جلالک) میں اپنی بساط بھر کوتاہی نہیں کرتا۔"

یہ واقعہ بلاشبہ حدیث کی ایک کتاب مصنف ابن ابی شیبہ (ج:۱۲' ص:۳۲) اور (فتح الباری' ۴۹۵/۲' کتاب الاستسقاء باب سوم) میں درج ہے۔ حافظ ابن حجر نے اس کی بابت کہا ہے: ((وروی عن ابن ابی شیبة باسناد صحیح من روایة ابی صالح السمان عن مالک الداری ..... الخ "اس روایت کو ابن ابی شیبہ نے صحیح سند کے ساتھ ابو صالح السمان عن مالک الداری کے حوالے سے بیان کیا ہے۔' لیکن تین وجوہ سے یہ واقعہ ناقابل استدلال ہے:

(ا) یہ قصہ صحیح نہیں ہے' اس لئے کہ واقعے کا اصل راوی مالک الداری ہے جو مجہول ہے جب تک اس کی عدالت اور ضبط کا علم نہیں ہو گا۔ یہ واقعہ ساقط الاعتبار ہو گا۔ حافظ ابن حجرؒ نے جو یہ کہا ہے: ((باسناد صحیح من روایة ابی صالح السمان)) تو اس کا مطلب یہ ہے کہ سنداً ابو صالح السمان تک یہ روایت صحیح ہے۔ مالک الداری کے حالات کا چونکہ حافظ ابن حجر کو علم نہیں ہو سکا تھا اس لئے انہوں نے اس کی بابت خاموشی اختیار کر کے ابو

صالح تک سلسلۂ سند کو صحیح قرار دے دیا' مقصد یہ تھا کہ مالک الداری کی عدالت وضبط کی بھی اگر توثیق ہو جائے تو یہ روایت بالکل صحیح ہو گی۔ بصورتِ دیگر غیر صحیح۔ ان کی تصحیح کا مطلب پوری سند کی تصحیح نہیں ہے اگر پوری سند ان کے نزدیک صحیح ہوتی تو وہ اس طرح کہتے: ((عن مالک الداری واسنادہ صحیح)) لیکن حافظ ابن حجر نے اس طرح نہیں کہا۔ اس لئے جب تک واقعہ کے اصل راوی --- مالک الداری کی توثیق ثابت نہیں ہو گی' یہ واقعہ ناقابل حجت ہو گا۔

(۲) یہ قصہ سنداً صحیح ہو تب بھی حجت نہیں اس لئے کہ مُصنّف ابن ابی شیبہ کی روایت کا' ایک آدمی پر مدار ہے جو نامعلوم اور مجہول ہے اور حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے سیف بن عمر کے حوالے سے اُس نامعلوم آدمی کا نام بلال بن الحارث (صحابی) بتلایا ہے حالانکہ سیف بن عمر خود محدثین کے نزدیک بالاتفاق ضعیف ہے بلکہ اس کی بابت یہاں تک کہا گیا ہے کہ وہ ثقہ راویوں کے نام سے من گھڑت حدیثیں بیان کرتا تھا۔ ایسے کذاب ووضّاع راوی کے بیان پر یہ کس طرح باور کیا جا سکتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر پر جا کر عرض گزار ہونے والے ایک صحابی بلال بن الحارث المزنی تھے؟

(۳) بالخصوص جب کہ مستند اور صحیح روایات سے اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم کا یہ طرز عمل ثابت ہے کہ انہوں نے قحط سالی کے موقعے پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک پر جا کر استغاثہ نہیں کیا بلکہ کھلے میدان میں نمازِ استسقاء کا اہتمام کیا جو ایک مسنون عمل ہے اور اس میں زندہ بزرگ عَمِّ رسول حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے دُعا کروائی۔ یہ واقعہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے کا ہے۔ اسی طرح حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے زمانے میں قحط پڑا تو انہوں نے بھی ایک اور صحابیٔ رسول سے دُعا کروائی۔ ان مستند واقعات اور اکابر صحابہ کے طرزِ عمل کے مقابلے میں ایک غیر مستند روایت اور وہ بھی خواب پر مبنی' نیز مجہول شخص کے بیان کو کس طرح تسلیم کیا جا سکتا ہے؟

مذکورہ وجوہِ سہ گانہ کی وجہ سے مصنّف ابن ابی شیبہ کی یہ روایت کسی طرح بھی قابلِ استدلال نہیں رہتی۔ تاہم اگر اسے کسی درجہ میں قابلِ حجت تسلیم کر لیا جائے تب بھی اس روایت سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آدمی کو یہی ہدایت کی کہ حضرت عمر

رضی اللہ کے پاس جاکر کہو کہ وہ لوگوں کو ساتھ لے کر دُعا کریں یعنی نمازِ استسقاء کا اہتمام کریں۔ چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ نے ایسا ہی کیا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے قبر پر آنے والے شخص کو یہ نہیں کہا کہ اچھا میں تمہارے لئے دُعا کرتا ہوں یا کروں گا یا تم لوگ میری قبر پر جمع ہو کر آؤ بلکہ آپ نے دُعا کا مسنون طریقہ اختیار کرنے کی تلقین کی۔

"الادب المفرد" کی ایک روایت سے استدلال اور اس کی حقیقت

ایک اور دلیل یہ پیش کی جاتی ہے کہ مصیبت اور تکلیف کے وقت پکارنے کے بارے میں "الادب المفرد" ص:۱۴۲ میں' زیرِ عنوان ((باب مایقول الرجل اذا خدرت رجله)) لکھا ہے کہ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا پاؤں سُن ہو گیا تو ایک آدمی نے انہیں کہا کہ ایسے انسان کو یاد کیجئے جس کے ساتھ آپ کو سب سے زیادہ محبت ہے تو انہوں نے پکارا ((یَا مُحَمَّد)) (اور ان کی تکلیف دُور ہو گئی)

سنداً یہ واقعہ بھی صحیح نہیں' تاہم فی الحال اس کی سند کی بحث سے قطع نظر مسئلہ زیرِ بحث سے اس واقعے کا کوئی تعلق نہیں کیوں کہ بحث تو ہے فوت شدگان کو مدد کے لئے پکارنا جائز ہے یا نہیں۔ جب کہ مذکورہ واقعے میں جسمانی تکلیف کا ایک نفسیاتی علاج بتلایا گیا ہے جسے حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے اختیار فرمالیا انہوں نے ((محمد)) یا ((یا محمد)) (بہ اختلاف روایات) اس عقیدے کے تحت نہیں پکارا کہ آپ ان کی فریاد سُن لیں گے اور پھر مدد فرما دیں گے بلکہ کسی نے پیروں کے سُن ہو جانے کا یہ علاج بتلایا کہ اپنے سب سے زیادہ محبوب شخص کا نام لو' تو یہ تکلیف دُور ہو جائے گی۔

اس کی وجہ یہ بتلائی گئی ہے کہ محبوب کے ذکر سے انسان کے دل میں حرارت اور نشاط کی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے' جس سے منجمد خون رواں ہو کر رگوں میں دوڑنا شروع کر دیتا ہے اور یوں سُن والی کیفیت ختم ہو جاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بعض اور واقعات بھی ایسے ملتے ہیں جن میں لوگوں نے اپنے محبوب یا محبوبہ کا نام لیا تو ان کا پیروں کا سُن پنا ختم ہو گیا۔ ملاحظہ ہو: (الفتوحات الربانیه علی الاذکار النووایه' ج:۲' ص:۲۰۰' محمد بن علان

الصدیقی۔ فضل اللہ الصمد فی توضیح الادب المفرد' فضل اللّٰہ الجیلانی' ج:۲' ص:۴۴۱' المکتبۃ الاسلامیہ' حمص) اس کا مطلب یہ ہوا کہ پیر سُن ہونے کی صورت میں اپنے کسی محبوب کا نام لینا اور اُسے محبت سے یاد کرنا' یہ اس مرض کا نفسیاتی علاج ہے' اس کا فوت شدگان سے استغاثہ و استمداد سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ ندا کے لئے یہ ضروری نہیں ہوتا کہ "مُنادیٰ" ضرور سامنے ہو یا وہ ندا کو سنے بلکہ بعض دفعہ اپنے جذبات کے اظہار اور دل کا بوجھ ہلکا کرنے کے لئے بھی "مُنادیٰ" کو اپنے ذہن میں مُستحضر کر کے خطاب کر لیا جاتا ہے' یہاں بھی یہی صُورت ہے۔

ایسے حضرات کی دو اور "دلیلیں" ملاحظہ فرمائیں جن سے انہوں نے مُردوں سے مدد مانگنے کے جواز پر استدلال کیا ہے' کہتے ہیں کہ "حضرت عزرائیل علیہ السلام مُردوں کو پکاریں گے۔ حضرت ابراہیم خلیل اللہ علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام نے مُردہ پرندوں کو پکارا۔"

غور فرمایئے! یہ کیا "دلیلیں" ہیں؟ ان کو "دلیل" کہا جا سکتا ہے؟ بھلا ان سے کوئی پوچھے' حضرت عزرائیل مُردوں کو پکاریں گے تو کیا اُن سے مدد طلب کرنے کے لئے صور پھونکیں گے؟ قیامت کے صور پھونکنے کو یہ باور کرانا کہ حضرت عزرائیل بھی مُردوں کو پکاریں گے لہٰذا تم بھی مُردوں کو مدد کے لئے پکار سکتے ہو۔ بڑا ہی عجیب استدلال ہے۔

اسی طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام کا پرندوں کو پکارنا' کیا اُن سے مدد طلب کرنے کے لئے تھا؟ یا اپنے اطمینان قلب کے لئے مُردوں کو زندہ ہوتے دیکھنے کے لئے تھا؟ اس سے یہ استدلال کرنا "کہ مُردوں کو پکارنا جائز ہو گیا' لہٰذا اے مسلمانو! تم بھی مدد کے لئے مُردوں کو پکارو!" قرآن فہمی کا عجیب وغریب شاہکار ہے ؎

پاپوش میں لگائی کرن آفتاب کی
جو بات کی خدا کی قسم لاجواب کی

اسی طرح یہ لوگ قرآن کریم کی متعدد آیات سے استدلال کرتے ہیں جن میں کسی نہ کسی طرح "پکار" کا مضمون ہے۔ مثلاً: نوح علیہ السلام کی اللہ تعالیٰ سے فریاد:

﴿ رَبِّ إِنِّي دَعَوْتُ قَوْمِي لَيْلًا وَنَهَارًا ۝٥ ﴾ (نوح ۷۱/ ۵)

"اے میرے پروردگار! میں نے اپنی قوم کو رات اور دن پکارا (توحید کی دعوت دی۔)"

دیگر انبیاء کا اپنی قوموں کو پکارنا' اللہ کا پکارنا:

﴿ وَٱللَّهُ يَدۡعُوٓاْ إِلَىٰ دَارِ ٱلسَّلَٰمِ ﴾ (یونس ۱۰/ ۲۵)

"اللہ تعالیٰ دارالسلام کی طرف پکارتا ہے۔"

بتلایئے! ان آیات کا کوئی تعلق اس "پکار" سے ہے جو مابہ النزاع ہے؟ پھر ان آیات کے جمع کرنے کا کیا فائدہ؟ اصل اختلاف تو اس "پکار" میں ہے جو مافوق الاسباب طریقے سے کسی مُردہ کو مشکل کشائی اور مدد حاصل کرنے کے لئے پکارا جاتا ہے۔ یہ شرک ہے کیوں کہ اس طریقے سے کسی مُردہ کو پکارنا' یہ اس کی عبادت ہے اور عبادت اللہ کے سوا کسی کی جائز نہیں۔ اور یہ ایسی بات ہے کہ یہ خود بھی مانتے ہیں چنانچہ یہ تسلیم کرتے ہیں کہ: "اللہ تبارک وتعالیٰ جس بات کی ممانعت فرماتا ہے' وہ یہ ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ جل شانہ کے ساتھ کسی کو "اِلٰہ" معبود--- "عبادت کے لائق" سمجھ کر نہ پکارا جائے۔"

بالکل یہی بات ہم کہتے ہیں' پھر اختلاف کیوں؟ اختلاف یہ ہے کہ یہ حضرات یہ تو تسلیم کرتے ہیں کہ کسی کو معبود سمجھ کر نہ پکارا جائے لیکن یہ تسلیم نہیں کرتے کہ کسی فوت شدہ بزرگ کو مافوق الاسباب طریقے سے مدد کے لئے پکارنا' اُس سے دُعائیں کرنا' اس کے نام کی نذر ونیاز دینا' اس سے نفع وضرر کی امید رکھنا یہ اس کو "اِلٰہ" اور "معبود" ہی بنانا ہے اور یوں وہ اللہ کے ساتھ شرک کا ارتکاب کرتے ہیں کیوں کہ دُعا بھی عبادت ہے' نذر ونیاز بھی عبادت ہے جو اللہ کے ساتھ دوسروں کے لئے بھی کرتے ہیں۔ یہ لوگ اللہ سے بھی دعائیں کرتے ہیں مُردہ بزرگوں سے بھی دُعائیں کرتے ہیں' اللہ کے نام کی نذر و نیاز بھی دیتے ہیں اور بزرگوں کے ناموں کی بھی نذر و نیاز دیتے ہیں۔ اللہ سے بھی نفع وضرر کی امید رکھتے ہیں اور فوت شدہ بزرگوں سے بھی مافوق الاسباب نفع وضرر کی امید رکھتے ہیں۔ اللہ کو بھی عالم الغیب مانتے ہیں اور اللہ کے نبیوں اور ولیوں کو بھی عالم الغیب مانتے ہیں۔ اللہ کو بھی دُور اور نزدیک سے فریادیں سننے والا تسلیم کرتے ہیں اور بزرگوں کے اندر بھی یہ

قوت یا صفت تسلیم کرتے ہیں۔

ہم کہتے ہیں کہ شرک اسی چیز کا نام ہے کہ اللہ کے ساتھ کسی اور کو بھی عبادت میں شریک کر لیا جائے' یا اللہ کی صفات میں سے کوئی اور صفت کسی اور میں تسلیم کر لی جائے اور مذکورہ افعال سارے ایسے ہیں کہ ان میں یا تو اللہ کے ساتھ کسی اور کی عبادت ہوتی ہے یا اللہ کی صفت میں مُردوہ بزرگوں کو شریک سمجھا جاتا ہے۔ یہ حضرات اس شرک صریح کا ارتکاب کرتے ہیں یعنی اللہ کے ساتھ دوسروں کی عبادت بھی کرتے ہیں یا اللہ کی صفات بزرگوں میں مانتے ہیں اور پھر کہتے ہیں کہ ہم تو شرک نہیں کرتے' کیونکہ شرک تو اس وقت ہوتا ہے جب ہم انہیں معبود سمجھ کر پکارتے۔ حالانکہ جب ان کے اندر الٰہی صفات تسلیم کر لی گئیں یا اللہ کی طرح ان کو حق عبادت میں شریک کر لیا گیا تو وہ "معبود" تو بن گئے۔ آپ انہیں معبود کہیں یا نہ کہیں' جب معبود والی چیزیں ان کے لئے مان لی گئیں تو وہ "معبود" از خود بن گئے۔ جس طرح پتھر کی مورتی کی پوجا کرنے والا بھی اس (مورتی) کو خدا یا معبود نہیں سمجھتا بلکہ اسے اللہ کا مظہر یا اوتار سمجھ کر اس سے دُعائیں کرتا ہے اس کے نام پر چڑھاوے چڑھاتا ہے یعنی نذر دیتا ہے۔ اس سے نفع و ضرر کی امیدیں رکھتا ہے اور اسے فریاد رس اور حاجت روا سمجھتا ہے۔ مسلمان اس کے بارے میں عقیدہ رکھتا ہے کہ یہ مشرک ہے۔ کیوں کہ پتھر کی مورتی کی پوجا کرتا ہے حالانکہ وہ اسے معبود نہیں سمجھتا اور نہ معبود سمجھ کر اسے پکارتا ہی ہے۔ اسکے باوجود وہ مشرک ہے۔ کیوں؟ اسلئے کہ وہ مورتی کو معبود سمجھتا ہے یا نہیں سمجھتا' لیکن اسکے ساتھ اس پجاری کا معاملہ وہی ہے جو ایک عابد اور معبود کے درمیان ہوتا ہے۔ اسلئے وہ یقیناً مشرک ہے۔

لیکن یہی مسلمان قبروں کے ساتھ یا مردہ بزرگوں کے ساتھ یہی کچھ کرتا ہے تو کہتا ہے یہ شرک نہیں' کیوں کہ میں اسے معبود سمجھ کر نہیں پکارتا۔ اگر یہ دلیل صحیح ہے اور اس طرح شرک' شرک نہیں رہتا تو پھر ہندو بھی مشرک نہیں رہتا کیوں کہ وہ بھی مورتی کو معبود نہیں سمجھتا ہے۔ مشرکین مکہ بھی مشرک نہیں' کیوں کہ وہ بھی لات و عُزّیٰ اور منات وہبل کو معبود نہیں سمجھتے تھے وہ بھی ان کو اللہ کا وسیلہ اور ذریعہ تقرّب سمجھتے تھے۔ (جیسا

کہ خود قرآن نے اس کی وضاحت کی ہے)۔ قومِ نوح جن پانچ بتوں کو پوجتی تھی وہ بھی معبود نہیں تھے۔ اللہ کے نیک بندے ہی تھے (جیسا کہ صحیح بخاری میں صراحت موجود ہے) اس لحاظ سے تو قومِ نوح نے بھی شرک کا ارتکاب نہیں کیا اور قرآن دیگر مشرکوں کے بارے میں بھی کہتا ہے:

﴿ إِنَّ ٱلَّذِينَ تَدْعُونَ مِن دُونِ ٱللَّهِ عِبَادٌ أَمْثَالُكُمْ ﴾ (الأعراف/۷ ۱۹٤)

"جن کو تم اللہ کے سوا پکارتے ہو وہ تم جیسے ہی بندے ہیں۔"

گویا کسی دور میں بھی ایسے شرک کا وجود نہیں رہا کہ جس میں غیراللہ کو معبود سمجھ کر پکارا گیا ہو بلکہ ہر دور میں شرک کی نوعیت یہی رہی ہے کہ اللہ کے نیک بندوں کی ہی تصویریں' مورتیں' یا قبریں یہ سمجھ کر پوجی جاتی رہی ہیں کہ یہ اللہ کے نیک بندے تھے' وفات کے بعد اللہ سے ان کا "وصال" ہو گیا ہے اور یہ اب اللہ کے مظہر یا اوتار ہو گئے ہیں' ان کے ذریعے ہی سے ہم اللہ کا قُرب حاصل کر سکتے ہیں' ان کے وسیلے ہی سے ہماری دُعائیں اور التجائیں سنی جا سکتی ہیں اور ان کے نام نذر و نیازیں دے کر ہی ہم اللہ کو راضی کر سکتے ہیں۔

قرآن نے اسی عقیدہ و عمل کو شرک کہا ہے اور اس کے مرتکبین کو مشرک' اگر قرآن کریم کی صراحت صحیح ہے اور یقیناً صحیح ہے نیز ان حضرات کا عقیدہ و عمل بھی وہی ہے جو گذشتہ مشرک قوموں کا عقیدہ رہا ہے۔ تو ان کا شرک' شرک کیوں نہیں؟ محض عنوان بدل دینے سے تو شرک کی ماہیت و حقیقت تبدیل نہیں ہو جائے گی۔ جب ان لوگوں کا عقیدہ و عمل بھی فوت شدگان کے ساتھ وہی ہے جو مشرک قوموں کا اپنے بتوں کے ساتھ رہا ہے تو پھر دونوں کے درمیان فرق و امتیاز کس طرح کیا جا سکتا ہے اور یہ کیوں کر قرینِ عدل ہو سکتا ہے کہ ایک کو تو مشرک قرار دیا جائے' جب کہ دوسرا شخص بھی وہی کچھ کرے تو اسے مشرک تسلیم کرنے سے گریز کیا جائے۔ ﴿ تِلْكَ إِذًا قِسْمَةٌ ضِيزَىٰ ﴾

"عبادت" کسے کہتے ہیں اور "معبود" کون ہوتا ہے؟

ایک صاحب لکھتے ہیں: "مسجدوں میں یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْكَ وَسَلَّمَ کہنے سے

روکنے والے حضرات سورۂ جن کی آیت:۱۸ بھی پیش کرتے ہیں:

﴿ وَأَنَّ ٱلْمَسَٰجِدَ لِلَّهِ فَلَا تَدْعُوا۟ مَعَ ٱللَّهِ أَحَدًا ﴿١٨﴾ ﴾ (الجن۷۲/ ۱۸)

"اور یہ کہ مسجدیں اللہ (تبارک وتعالیٰ) کے لئے ہیں لہٰذا ان میں اللہ کے ساتھ کسی اور کو نہ پکارو۔"

تفہیم القرآن میں مودودی صاحب نے اس آیت کی تشریح میں لکھا ہے کہ "مفسّرین نے بالعموم "مساجد" کو عبادت گاہوں کے معنی میں لیا ہے اور اس معنی کے لحاظ سے آیت کا مطلب یہ ہو گا کہ عبادت گاہوں میں اللہ کے ساتھ کسی اور کی عبادت نہ کی جائے۔ آیتِ قرآنی کا مقصد ومُدعا بھی حقیقۃً یہی ہے' مودودی صاحب کے پیروکاروں کو اور دیگر دیوبندی اور اہل حدیث حضرات کو فہم وفراست سے کام لینا چاہیئے اور ارشاد خداوندی کو سمجھنا چاہیئے۔ خواہ مخواہ کفر وشرک وبدعت کے فتوے لگا کر اپنی عاقبت کو خراب نہیں کرنا چاہیئے..... تَدْعُوْا کا معنی تَعْبُدُوْا یعنی بندگی یا عبادت آتا ہے..... اللہ (تبارک وتعالیٰ) کے ساتھ کسی کو نہ پکارو یعنی کسی دوسرے معبود کو نہ پکارو۔"

اس اقتباس میں ایک تو یہ مخلصانہ مشورہ دیا ہے کہ خواہ مخواہ شرک وبدعت کے فتوے لگا کر اپنی عاقبت خراب نہیں کرنی چاہیئے کیوں کہ حدیث کے مطابق بلاوجہ کسی مسلمان کو کافر کہنے والا خود کافر قرار پاتا ہے۔ یہ مخلصانہ مشورہ بالکل بجا ہے۔ الحمد للہ ہم اس پر پہلے ہی عمل پیرا ہیں۔ ہم خواہ مخواہ شرک وبدعت کے فتوے لگا کر اپنی عاقبت خراب کرنا نہیں چاہتے لیکن جہاں فی الواقع شرک ہو رہا ہو اس کی نشاندہی کرنا اور مسلمانوں کو اس سے آگاہ کرنا تو وہ ضروری فریضہ ہے کہ اس میں مداہنت کا مظاہرہ کرنے والا گونگا شیطان قرار پاتا ہے۔ ((اَلسَّاكِتُ عَنِ الْحَقِّ شَيْطَانٌ أَخْرَسُ)) "حق بات سے خاموش رہنے والا گونگا شیطان ہے۔"

ہماری خواہش اور کوشش ہے کہ مسلمان مُشرکانہ عقائد واعمال سے تائب ہو جائیں جن میں وہ بدقسمتی سے مُبتلا ہیں' کیوں کہ شرک ایسا ظلم عظیم ہے جو ناقابل معافی ہے۔ اِلّا یہ کہ آدمی دنیا ہی میں اس سے سچی توبہ کرلے۔ مسلمان عوام کے شرک پرستی کے مظاہر ہی ہمیں بے چین اور مضطرب رکھتے ہیں اور ان کی خیر خواہی ہی کا جذبہ ہے جو ہمیں حق گوئی کا

فریضہ ادا کرنے پر مجبور کرتا ہے۔ جرّاح یا سرجن کے اپریشن سے مریض کو تکلیف ضرور ہوتی ہے لیکن مریض کی خیر خواہی کا تقاضا ہے کہ وہ اپریشن کے ذریعے سے گندا مواد یا فاضل مواد باہر نکال پھینکے کیوں کہ وہ جانتا ہے کہ اس کے بغیر مریض کی صحت یابی ممکن نہیں۔ اہل توحید شرک وبدعت کے خلاف یہی عملِ جراحی کرتے ہیں جس سے مریض کراہتا اور چیختا ہے تاہم علمائے اہل توحید مسلمان عوام کے سچے خیر خواہ ہیں اور وہ اپنا کام جاری رکھے ہوئے ہیں اور عوام کی ناراضی کے باوجود انہیں شرک وبدعت جیسے خطرناک امراض سے بچانے میں کوشاں ہیں۔ (جزاهم الله وكثر الله فينا امثالهم)

دوسری بات موصوف نے یہ فرمائی ہے کہ "اللہ کے سوا کسی کو مت پکارو۔" کا مطلب ہے "اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو۔" یہ بات بھی بالکل صحیح اور بجا ہے اور آیت میں پکار کا فی الواقع یہی مطلب ہے کیوں کہ مطلق پکار عبادت نہیں ہے بلکہ وہ پکار عبادت ہے جو کسی کو مافوق الاسباب طریقے سے مدد کے لئے ہو۔ اگر اللہ کو پکارا جائے گا یعنی اس سے مدد کی درخواست کی جائے گی تو یہ اللہ کی عبادت ہوگی' کسی پتھر کی مورتی کو پکارا جائے گا یعنی اس سے مدد طلب کی جائے گی تو اس مورتی کی پُوجا (عبادت) ہوگی' قبر میں مدفون کسی شخص کو پکارا جائے گا یعنی اس سے استغاثہ واستعانت کی جائے گی تو یہ اس بزرگ کی عبادت ہوگی۔

اس لیے مسئلہ صرف یہ نہیں ہے کہ "یارسول اللہ" کہنا جائز ہے یا نہیں' کیوں کہ اگر عقیدہ یہ ہو کہ رسول اللہ ﷺ عالم الغیب' حاضر وناظر اور سمیع وبصیر نہیں ہیں تو وہ "یارسول اللہ" کہہ لے گا تو اس میں کوئی حرج نہیں' جس طرح ((التحیات)) میں ((السلام علیک ایھا النبی)) کہا ہی جاتا ہے۔ اگر یہ حضرات بھی یہ تسلیم کرلیں کہ ہمارا عقیدہ بھی یہی ہے کہ عالم الغیب' حاضر وناظر' سمیع وبصیر اور دور ونزدیک سے فریادیں سننے والا صرف اللہ تبارک وتعالیٰ ہی ہے' ہم کسی نبی' ولی اور بزرگ کے اندر یہ صفاتِ الٰہی تسلیم نہیں کرتے تو یقیناً ان کا "یارسول اللہ" کہنا شرک نہیں ہوگا۔ اسے بے تکی ترکیب ضرور کہا جائے گا لیکن اسے شرک سے تعبیر نہیں کیا جائے گا۔ لیکن اصل بات یہی ہے کہ ان حضرات کا عقیدہ ہی

صحیح نہیں ہے' اس لیے ان کا "یارسول اللہ" کہنا محض ((السلام علیک ایھا النبی)) کے قبیل سے نہیں ہے کہ جسے جائز تسلیم کر لیا جائے بلکہ وہ یہ سمجھتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ عالم الغیب' حاضر و ناظر اور سمیع و بصیر ہیں' اس لئے جب ہم "یا رسول اللہ" کہتے ہیں تو رسول اللہ ﷺ بھی ہماری اس ندا کو سنتے اور جانتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ مسئلہ اب صرف "یارسول اللہ" کہنے یا نہ کہنے کا نہیں رہا بلکہ اب یہ اپنے منطقی نتیجے تک پہنچ گیا ہے اور "یارسول اللہ مدد" اور "المدد یا رسول اللہ" کے اسٹکر ز بھی عام ہو گئے ہیں۔

پہلے صرف "یاعلی مدد" کا نعرہ عام تھا۔ اہل توحید نے اس کے مقابلے میں کوشش کی کہ مسلمانوں میں اس مشرکانہ نعرے کی بجائے "یااللہ مدد" کا نعرہ عام ہو۔ چنانچہ انہوں نے "یا اللہ مدد" کے اسٹکر ز عام کیے۔ مقصد اس کا یہ تھا کہ شیعوں کے ایجاد کردہ مشرکانہ نعرے سے اہلِ سُنّت کے سادہ لوح عوام کو بچایا جائے مگر بریلوی حضرات نے "یا اللہ مدد" کے مقابلے میں "یارسول اللہ مدد" کے اسٹکر ز چھپوا لیے اور یوں ایک ایسا نعرہ ایجاد کر لیا جس میں اللہ کی مدد کی بجائے اللہ کی ایک برگزیدہ مخلوق پیغمبر سے مافوق الاسباب طریقے سے مدد طلب کی جا رہی ہے۔

ان سے پوچھا جائے "یاعلی مدد" یا "یارسول اللہ مدد" کے نعروں کا کیا جواز ہے؟ کیا یہ نعرے لگانے والوں کا عقیدہ یہ نہیں ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرح حضرت علی رضی اللہ عنہ اور رسول اللہ ﷺ مافوق الاسباب طریقے سے' اور دُور اور نزدیک سے ہماری فریادیں سُن سکتے ہیں' ہماری مدد کر سکتے ہیں اور ہمیں نقصان پہنچا سکتے ہیں اور کیا اس عقیدے کے ساتھ کسی کو پکارنا یہی اس کی عبادت نہیں ہے؟ کیا یہ "عبادت" مسجدوں میں نہیں ہو رہی ہے؟ اور کیا یہ ((وَاَنَّ الْمَسَاجِدَ لِلّٰہِ فَلَا تَدْعُوْا مَعَ اللّٰہِ اَحَدًا)) کے صریحاً خلاف نہیں ہے۔

ایک اسٹکر کا تجزیہ --- ایک دعوائے بلا دلیل

بزم خیر اندیش وسن پورہ لاہور کی طرف سے ایک اسٹکر چھپا ہے' جس میں لکھا گیا ہے:

"پکارو یا محمد (ﷺ) یارسول اللہ' یا محمد' یارسول اللہ (ﷺ) کہنے والا خوش نصیب ہے

اور شرک وبدعت کہنے والا منکرِ قرآن وحدیث ہے۔ امام بخاری اور دیگر محدثین لکھتے ہیں جب تکلیف اور پریشانی ہو تو پکارو: یا محمد' یارسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیک وسلم حوالہ غلط ثابت کرنے والے کو منہ مانگا انعام دیا جائے گا۔"

ترتیب وار اسکا جواب اہلِ انصاف اور اہلِ دانش کے سامنے پیش کیا جاتا ہے:

(۱) یا محمد' یارسول اللہ۔ اس کا اردو ترجمہ ہے۔ اے محمد ﷺ' اے رسول اللہ ﷺ۔ گویا اس میں رسول اللہ ﷺ سے خطاب کیا گیا ہے۔ اگر یہ خطاب صرف بطور محبت کے ہے جس طرح بعض دفعہ ایک مُحبّ اپنے محبوب کو اپنے ذہن میں مستحضر کر کے اور اس سے خطاب کر کے عالم شوق اور وارفتگی میں باتیں کرتا ہے' خطاب کرنے والے کا یہ عقیدہ نہیں ہے کہ حضور عالم الغیب ہیں یا حاضروناظر ہیں اور دور ونزدیک سے باتیں سننے پر قادر ہیں تو اس نعرے کو عشق ومحبت کا ایک مظہر اور اس بنا پر اسے جائز تسلیم کیا جا سکتا ہے لیکن اگر کہنے والے کا عقیدہ ہی یہ ہے کہ آپ عالم الغیب' حاضروناظر اور ہماری فریادیں سننے پر قادر ہیں تو یہ کہنا خوش نصیبی نہیں انتہائی بدنصیبی ہے۔ اس طرح یقیناً وہ شرک وبدعت کا ارتکاب کرتا ہے' جسے خوش نصیبی وہی شخص سمجھ سکتا ہے جو توحید وسُنّت سے ناآشنائے محض ہو۔

(۲) اسے اہل توحید اسی بنا پر شرک وبدعت سے تعبیر کرتے ہیں کہ اس میں عقیدے کی وہی خرابی پائی جاتی ہے' جو انسان کو شرک تک لے جاتی ہے جس طرح کہ فی الواقع اب اس کا ظہور شروع ہوگیا ہے اور اب "یارسول اللہ" سے معاملہ بڑھ کر "یارسول اللہ مدد" تک پہنچ گیا ہے۔ اس لئے اہل توحید' شرک پر مبنی خود ساختہ نعروں کا انکار کرکے "قرآن وحدیث کے منکر" نہیں بنتے بلکہ قرآن وحدیث کے محافظ ہیں۔ (فللّٰہ الحمد علیٰ ذٰلک)

(۳) اسٹکر چھاپنے والوں نے دعویٰ تو یہ کر دیا ہے کہ حوالہ غلط ثابت کرنے والے کو منہ مانگا انعام دیا جائے گا لیکن ہم پورے یقین سے کہتے ہیں کہ انہوں نے الادب المفرد' تحفۃ الذاکرین (شوکانی)' کتاب الاذکار (نووی) عمل الیوم واللیلۃ (ابن السُّنی)' فتح الباری اور مصنف ابن ابی شیبہ' ان چھ کتابوں کا حوالہ دیا ہے لیکن کسی بھی کتاب میں یہ

الفاظ نہیں دکھائے جاسکتے کہ

"جب تکلیف اور پریشانی ہو تو پکارو: یا محمد' یارسول اللہ"

پہلی چار کتابوں میں صرف وہ واقعہ بیان ہوا ہے جو پہلے گزر چکا ہے کہ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے پَیر سُنّ ہو گئے تو کسی نے کہا کہ آپ ایسے شخص کو یاد کریں جس سے آپ کو سب سے زیادہ محبت ہو تو انہوں نے کہا: "محمد" یا "یا محمد" اس کے تحت مؤلف نے باب بھی جو باندھا ہے وہ بھی یہ ہے کہ "جب کسی کے پَیر سُنّ ہو جائیں تو وہ کیا کرے؟" کسی ایک کتاب میں بھی یہ الفاظ نہیں ہیں کہ "جب تکلیف اور پریشانی ہو تو پکارو یا محمد' یارسول اللہ۔"

اسی طرح آخری دو کتابوں میں صرف وہ واقعہ بیان ہوا ہے جس میں مالک الداری کے حوالے سے خواب میں ایک شخص کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس جانے کے لئے کہا گیا ہے اور جس کی بابت ہم پہلے بیان کر آئے ہیں کہ سنداً یہ واقعہ ہی صحیح نہیں ہے۔ علاوہ ازیں یہ صحیح احادیث میں بیان کردہ طریقے کے بھی خلاف ہے۔ گویا ان دو کتابوں میں بھی یہ الفاظ نہیں ہیں کہ: "جب تکلیف اور پریشانی ہو تو پکارو: "یا محمد' یارسول اللہ"

یعنی چھ کتابوں کے حوالے دیئے گئے ہیں اور کسی ایک کتاب میں بھی مذکورہ الفاظ نہیں ہیں اسلئے ہم اسٹکر کے مرتب یا اسکے ناشر سے عرض کریں گے کہ وہ "محدثین" کی طرف منسوب' الفاظِ مذکورہ نکال کر دکھائیں یا پھر ہمیں منہ مانگا انعام دیں۔ ہمارا منہ مانگا انعام زیادہ نہیں' صرف ایک ہی بات ہے کہ مسلمان عوام کو صرف اِلٰہ واحد کا پرستار رہنے دیں' انہیں غیراللہ کا پرستار بنا کر انکی عاقبت خراب نہ کریں اور صرف "یا اللہ مدد" کے اسٹکر چھپوا کر تقسیم کریں تاکہ لوگ "یا علی مدد" یا "یارسول اللہ مدد" جیسے مشرکانہ نعروں سے بچ جائیں۔

بسم اللہ کی با سے استمداد لغیر اللہ کا جواز؟

ایک اور صاحب نے بسم اللہ کی تفسیر میں بسم اللہ کی با سے استدلال کرتے ہوئے مسئلہ استعانت واستمداد پر حسبِ ذیل الفاظ میں خامہ فرسائی کی ہے:

"ان تمام ذرائع واسباب سے استعانت کرے جن کی مدد خدا کے مالک ومعین ہونے کی

نشاندہی کر رہی ہے لیکن اسباب وذرائع کو کبھی بھی مقصد کا بدل نہ بنایا جائے۔ انسان کو چاہیئے کہ ان سب ذرائع سے حاصل ہونے والے منافع ونقصانات میں بھی اصل نظر خدا ہی کی قدرتِ مطلقہ پر رکھے۔ اس لئے بسم میں نامِ حق سے استعانت کی تعلیم دے کر ذریعہ کی اہمیت بھی واضح کر دی گئی اور اس کی اضافت اللہ الرحمٰن الرحیم کی طرف کر کے حقیقتِ حال کو بھی بیان کر دیا گیا۔ اگر غور وخوض اور فہمِ صحیح کے ساتھ اس حقیقت کو بخوبی سمجھ لیا جائے تو مسئلہ استعانت واستمداد پر مذہبی حلقوں میں موجود علمی نزاع کافی حد تک مرتفع ہو سکتا ہے۔ ہندوستان کے دورِ آخر کے علماء محققین کی تحقیقات وتصریحات کا بھی مطالعہ کیا جائے تو مذکورہ بالا وضاحت کی تائید ہوتی ہے۔ اس سلسلے میں دو علماء کے نقطہ ہائے نظر ملاحظہ ہوں۔ سورۃ فاتحہ کی تفسیر میں ایاک نعبد وایاک نستعین کے تحت مولانا نعیم الدین مراد آبادی لکھتے ہیں: "ایاک نستعین میں یہ تعلیم فرمائی کہ استعانت خواہ بواسطہ ہو یا بے واسطہ ہر طرح اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہے۔ حقیقی مستعان وہی ہے باقی آلات وخدام واحباب وغیرہ سب عونِ الٰہی کے مظہر ہیں۔ بندے کو چاہیئے کہ اس پر نظر رکھے اور ہر چیز میں دستِ قدرت کا کارکن دیکھے اس سے یہ سمجھنا کہ اولیاء وانبیاء سے مدد چاہنا شرک ہے۔ عقیدہ باطلہ ہے کیوں کہ مقربانِ حق کی امداد امدادِ الٰہی ہے' استعانت بالغیر نہیں۔"

اب اسی آیت کے تحت متذکرہ بالا مفہوم کو مولانا محمود الحسن دیوبندی ان لفظوں میں بیان کرتے ہیں: "اس آیتِ شریفہ سے معلوم ہوا کہ اس ذاتِ پاک کے سوا کسی سے حقیقت میں مدد مانگنی بالکل ناجائز ہے۔ ہاں اگر کسی مقبول بندہ کو محض واسطہ رحمتِ الٰہی اور غیر مستقل سمجھ کر استعانت ظاہری اس سے کرے تو یہ جائز ہے کہ یہ استعانت درحقیقت اللہ ہی سے استعانت ہے۔"

آپ نے ملاحظہ فرمالیا دونوں عبارات کا مفہوم ومُدعا ایک ہی ہے۔ تسمیہ میں لفظ اسم کے استعمال سے بھی انسانوں کو یہی تعلیم دینا مقصود تھا کہ جُملہ امورِ حیات میں مستعانِ حقیقی صرف ذاتِ باری تعالیٰ ہے لیکن اس عالم اسباب میں ہر مخلوق وموجود کو خلاقِ عالم نے اپنے فیضانِ رحمت اور اپنی مدد اعانت کے واسطہ ومظہر کے طور پر تخلیق کیا ہے۔ جو ہستی ذاتِ

حق کے جتنی قریب اور اسکے نورِ قدرت سے جتنی مستنیر ہو گی وہ اس قدر شان مظہریت میں بھی اعلیٰ واولیٰ ہو گی۔ لہٰذا کاروبار حیات میں مادی مسائل ہوں یا روحانی ان سے استفادہ واستمداد بھی کیا جائے کہ نظامِ کائنات کا اصول بھی یہی ہے اور ہر ایک کی اعانت میں کارساز حقیقی کے لطف وکرم پر بھی نظر رکھی جائے کہ تقاضائے بندگی یہی ہے۔"

ہماری گذارشات: اس اقتباس میں انہوں نے شرک جلی کی مروجہ صورتوں کو صحیح اور جائز ثابت کرنے کے لئے وہی گھسی پٹی باتیں دہرائی ہیں جو قبر پرست عام طور پر کہتے ہیں جن میں کوئی معقولیت نہیں بلکہ اس میں بھی عوام کی جہالت سے ناجائز فائدہ اٹھانے ہی کی رُوح کار فرما ہے۔

حالانکہ سوجھ بوجھ رکھنے والا ہر باشعور آدمی سمجھتا ہے کہ اسباب وذرائع کے ماتحت ایک دوسرے سے تعاون وتناصر ایک الگ مسئلہ ہے اور ماورائے اسباب طریقے سے حاجت روائی اور مشکل کشائی الگ مسئلہ۔ اوّل الذکر پر تو سارا نظامِ کائنات قائم ہے اور اس کے بغیر دنیا کا نظام چل ہی نہیں سکتا کوئی آدمی بھی دیگر انسانوں سے بے نیاز نہیں ہو سکتا۔ اللہ تعالیٰ نے اسباب کا نظام ہی ایسا قائم کیا ہے اور ایک دوسرے سے اس طرح مربوط کر دیا ہے کہ ایک لکھ پتی بلکہ ارب پتی اور کھرب پتی بھی جب تک اپنے علاوہ دوسرے انسانوں سے امداد وتعاون حاصل نہیں کرے گا' وہ زندگی میں ایک قدم بھی نہیں چل سکے گا' انبیاء علیہم السلام تک بھی ان اسباب' وذرائع کے مطابق ہی زندگی گزارنے پر مجبور رہے ہیں۔ اس لئے ان اسباب وذرائع کی اہمیت وافادیت ان کی ہمہ گیری وناگزیری اور ہر شخص کے لئے ان کی احتیاج وضرورت محتاج وضاحت نہیں' نہ یہ مابہ النزاع ہے۔

اصل مسئلہ توجہ طلب جو ہے' وہ ہے ثانی الذکر صورت' یعنی ماورائے اسباب طریقے سے اللہ کے سوا کسی کو اپنا حاجت روا' مشکل کشا اور نافع وضار سمجھنا۔ کیا یہ بھی بالکل اسی طرح ہے جس طرح ماتحت الاسباب کسی سے امداد وتعاون حاصل کرنا؟ ظاہر بات ہے دونوں یکساں نہیں' انکے درمیان آسمان زمین کا فرق ہے' مشرق ومغرب کا بُعد ہے' رات اور دن کا سا تفاوت ہے۔ استمداد واستعانت لغیر اللہ کی بحث میں ماتحت الاسباب اور مافوق الاسباب

کے عظیم اور نمایاں فرق کو نظر انداز کر کے مطلقاً اسباب وذرائع کی افادیت وناگزیری سے استدلال کرتے ہوئے یہ باور کرانا کہ فوت شدہ بزرگانِ کرام سے استمداد واستعانت (مدد چاہنا) اور ان سے حاجت روائی ومشکل کشائی کا طالب ہونا بھی جائز ہے اور اس کو شرک کہنا عقیدۂ باطلہ ہے' جس طرح کہ مذکورہ اقتباسات میں دعویٰ کیا گیا ہے' ایک بہت بڑا مغالطہ' انتہائی بددیانتی اور تلبیس کاری ہے۔

کیا قرآن وحدیث میں کہیں بھی یہ موجود ہے کہ فوت شدہ شخص کو اپنی مدد کے لئے پکارو کہ وہ بھی عونِ الٰہی کا مظہر ہیں؟ کیا انبیاء علیہم السلام نے اپنے پیشرو پیغمبروں سے استمداد واستعانت کی؟ کیا صحابہ کرام نے قبروں میں مدفون بزرگوں سے اپنی حاجات طلب کیں؟ انہیں نفع وضرر کامالک سمجھا؟ اور آج کل قبروں پر جو کاروبارِ لات ومنات کی گرم بازاری ہے کیا عہد صحابہ وتابعین میں اس کی کوئی مثال کسی صحیح سند سے ملتی ہے؟ اگر نہیں اور یقیناً نہیں تو پھر الفاظ کی شعبدہ بازی اور تاویلات کی تلبیس کاری سے شرک کا جواز ثابت نہیں ہو سکتا۔ شرک' شرک ہے چاہے اس کا مرتکب پتھر کا پجاری ہو یا کسی قبر کا مجاور یا کسی فوت شدہ بزرگ سے استمداد واستعانت کرنے والا۔ کیوں کہ یہ سب غیر اللہ میں خدائی صفات تسلیم کرتے ہیں۔ ہندو کا عقیدہ بھی یہی ہے کہ وہ جس پتھر (مورتی) کی پوجا کر رہا ہے وہ مافوق الاسباب طریقے سے اس کی حاجت روائی پر قادر ہے' قبر کا مجاور بھی قبر میں مدفون جعلی یا حقیقی بزرگ کی بابت یہی عقیدہ رکھتا ہے اور ہزاروں میل کے فاصلے کے باوجود شیخ عبد القادر جیلانی سے استمداد کرنے والے شخص کا بھی یہی عقیدہ ہے۔ یہ سب اپنے بزرگوں اور معبودوں کو خدائی صفات کا حامل سمجھ کر انہیں مدد کے لئے پکارتے ہیں اور انہیں مافوق الاسباب طریقے پر فریاد رس سمجھنا' حاجت روا ومشکل کشا سمجھنا اور نافع وضار سمجھنا' یہی شرک ہے کیوں کہ دور اور نزدیک سے ہر ایک کی فریاد سننا اور ماورائے اسباب طریقے سے حاجت روائی اور مشکل کشائی کرنا' یہ صرف اللہ وحدہ لاشریک لہ کا کام ہے' یہ صفات اللہ کے سوا کسی اور میں اگر تسلیم کی جائیں گی تو شرک ہو گا۔

اس کتاب کے مندرجات فرزندان امت مسلمہ کی سچی خیر خواہی اور ہمدردی کے

مخلصانہ جذبات کے ساتھ نذر قارئین کئے گئے ہیں تاکہ تمام مسلمان بھائیوں کے عقائد کی اصلاح ہو سکے اور عقیدہ توحید اور کتاب و سنت کی بنیاد پر اتحاد بین المسلمین کا جذبہ فروغ پا سکے۔ اس لیے کہ جب تک عقیدہ درست نہیں ہو گا کوئی عبادت یا نیک عمل اللہ تعالیٰ کے ہاں درجہ قبولیت کو نہیں پہنچ سکتا۔

اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو زیغ و ضلال اور شرک و بدعت سے بچائے اور انہیں صراط مستقیم کو سمجھنے اور اس پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔

إن أريد إلا الإصلاح ما استطعت وما توفيقي إلا بالله عليه توكلت وإليه أنيب

وصلى الله على نبينا محمد وآله وصحبه أجمعين ومن تبعهم بإحسان إلى يوم الدين

TRUEMASLAK@INBOX.COM

تفسیر احسن البیان (اردو)

ایک مختصر مگر جامع تفسیر
صحیح احادیث کی روشنی میں

تفسیر: حافظ صلاح الدین یوسف
نظر ثانی: مولانا صفی الرحمن مبارکپوری

مختصر صحیح بخاری

قرآن مجید کے بعد صحیح ترین کتاب
کا اختصار اردو زبان میں پہلی بار

امام ابو العباس زین الدین احمد بن عبد اللطیف الزبیدی

ریاض الصالحین (اردو)

عالم عرب میں پڑھا جانے والا
احادیث مبارکہ کا مقبول ترین مجموعہ

تالیف: ابو زکریا یحییٰ بن شرف النووی
ترجمہ و فوائد: حافظ صلاح الدین یوسف

بلوغ المرام (اردو)

فقہی احکام و مسائل کا انسائیکلوپیڈیا

تالیف: الامام شہاب الدین احمد ابن حجر
شارح: مولانا صفی الرحمن مبارکپوری

منہاج المسلم

کتاب زندگی کا انسائیکلوپیڈیا
زندگی کے ہر مسئلے کا شرعی حل

تالیف: ابو بکر جابر الجزائری
ترجمہ: مولانا محمد رفیق الاثری

سیرۃ نگاری میں عالمی ایوارڈ یافتہ مصنف کے قلم سے

تجلیاتِ نبوت

نبوت کی روشن روشن کرنوں سے منور
اسوۂ حسنہ کا خوبصورت تذکرہ

مولانا صفی الرحمن مبارکپوری

دار السلام
کتاب و سنت کی اشاعت کا عالمی ادارہ